

اسلام کا
قانونِ طلاق
قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱۔کے ۳۔ ناظم آباد مینشن ○ ناظم آباد، کراچی

اسلام کا
قانونِ طلاق
قرآن اور حدیث کی روشنی میں

اسلامی شریعت کے حکیمانہ اور بیش قیمت اصول
طلاق اور عدت کے مسائل پر قرآن و حدیث کا خلاصہ
اسلامی قانون کا نچوڑ بالکل آسان اور نئے اسلوب میں

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن (نزد برف خانہ) ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

پاکستان میں جملہ حقوق طباعت واشاعت
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

نام کتاب ——— اسلام کا قانون طلاق
مصنف ——— مولانا محمد شہاب الدین ندوی
کتابت ——— محمد بشیر بنگلوری
طباعت ——— شکیل پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ——— صفحات
ایڈیشن ——— ۱۹۹۲ء
ٹیلیفون ۶۲۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی
مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

از مولانا سید صادق حسن عقیل قاسمی

مہتمم جامعہ علوم القرآن بنگلور

طلاق چونکہ حقیقتاً تمدن و معاشرت کے فساد کا باعث ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اور اس فعل سے صرف شیطان اور اُس کے کارندوں ہی کو خوشی ہوسکتی ہے، جو میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر خاندانوں کو توڑنا اور ان میں باہمی عداوت و دشمنی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جس معاشرے میں طلاق کی کثرت ہوجائے وہ کبھی پنپ نہیں سکتا۔ جس طرح کہ آج مغربی ممالک کا حال ہے۔ جہاں بات بات پر طلاق دینا ایک عام بات ہے۔ اور وہاں پر طلاقوں کی کثرت نے ایک وبا کی شکل اختیار کرلی ہے، جس کی وجہ سے وہاں کا خاندانی نظام بالکل ٹوٹ چکا ہے۔ مگر اس کے باوجود ایک صالح اور متوازن معاشرہ کے لئے کبھی کبھی طلاق کی واقعی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ کیونکہ جب میاں بیوی میں کسی بھی طرح نباہ نہ ہوسکے اور دونوں میں اختلاف بڑھتا ہی چلا جائے تو پھر اصلاحِ معاشرہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں کو سیدھے طریقے سے جُدا کردیا جائے ورنہ ان دونوں کو زبردستی باندھ کر رکھنے کا نتیجہ بھی خراب نکل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہوتی ہے جو بے جا دباؤ کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے بغاوت پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ غرض جس طرح طلاق کی کثرت کی وجہ سے معاشرتی توازن بگڑ جاتا ہے اسی طرح اس قانون کو بالکل تسلیم نہ کرنے کی صورت میں بھی معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا اس پیچیدہ مسئلہ کا صحیح حل یہ ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہوئے بغیر اس قانون اور ضابطہ کو صحیح اور موزوں طریقے سے استعمال کیا جائے۔

اسلام میں طلاق اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ اور اس کی اجازت صرف شدید مجبوری ہی کی حالت میں ہے۔ اور وہ بھی اُس وقت جب کہ میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہوں اور ان دونوں میں کسی بھی طرح نبھاؤ نہ ہوسکتا ہو۔ مگر اس وقت

بھی حکم یہ ہے کہ سنت طریقے کے مطابق عورت کو صرف ایک طلاق دی جائے۔ کیونکہ اگر کسی نے جلد بازی میں یا بغیر کسی غور و فکر کے طلاق دے دی ہے تو اُسے بعد میں رُجوع کرنے کا موقع مل سکے۔ اس کے برعکس بیک وقت تین طلاق دے دینا خلافِ سُنّت طریقہ ہے جو سخت گناہ کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے بعد رُجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا یہ قانون ایک عقلی اور سائنٹفک قانون ہے جو حکمت و دانائی سے بھرپور ہے۔ مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک حکیمانہ قانون سے محض اپنی غفلت و جہالت کی بنا پر اعراض کرتے ہُوئے آج ایک ایسا طریقہ اختیار کئے ہُوئے ہیں جس میں نہ صرف ہماری معاشرتی زندگی کی تباہی اور جگ ہنسائی ہے بلکہ وہ شرعی اعتبار سے بھی گناہ کا باعث ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ عوام اور متوسط تعلیم یافتہ طبقے کو عام فہم انداز میں بتایا جاتا کہ اسلام میں قانونِ طلاق کی حقیقت و حیثیت کیا ہے؟ اور ضرورت پڑنے پر طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس ضرورت کو ہندستان کے نامور عالم مولانا محمد شہاب الدین ندوی نے پورا کرتے ہُوئے بالکل آسان انداز میں قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی سے ایک جامع انتخاب بڑے دلنشین انداز میں پیش کیا ہے، جس میں طلاق اور عدت کے تمام اہم ترین مسائل آگئے ہیں۔ ابتدائی مباحث میں طلاق کی ضرورت و افادیت پر بحث کرتے ہُوئے اسلام کے قانونِ طلاق سے متعلق اہم اور مفید ترین معلومات پیش کی ہیں۔ اور خاص کر قرآن اور حدیث سے تین طلاق کے ثبوت کے بارے میں محققانہ مگر عام فہم انداز میں جو بحث — کتاب کے مختلف ابواب میں — کی ہے وہ خاصہ کی چیز ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ بحث قرآن اور حدیث کے حقائق و معارف سے لبریز نئے نئے جہانوں کی سیر کراتی ہے جو سربمہر خزانوں کی طرح ذخیرۂ اسلام میں محفوظ تھے۔ اتنی جامع اور مُدلّل بحث (اور وہ بھی عام فہم انداز میں) یقیناً خداداد صلاحیت کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔

آج کل ایک مجلس کی تین طلاقوں پر پابندی عائد کرنے کی غرض سے ہمارے ملک میں جو تحریک تجدّد پسندوں کی جانب سے چلائی جارہی ہے اور اسلامی قانون میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے یہ جو کہا جارہا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا اصل اسلامی قانون کے خلاف ہے اور ایسی

طلاقیں نافذ نہیں ہوتیں، اس کا بھی بھرپور جواب مُثبت انداز میں اس کتاب میں مل جاتا ہے اور صحیح اسلامی قانون پوری طرح مُنقّح اور مُدلّل ہو کر دو اور دو چار کی طرح سامنے آجاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بیک لفظ دی ہُوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے قائل ہیں اُن کے ردّ میں بھی نئے نئے اور حیرت انگیز دلائل پیش کر کے مُصنّف نے سب کا مُنہ بند کر دیا ہے۔

غرض یہ کتاب عصرِ جدید کے مزاج اور تقاضوں کے لحاظ سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، جو معلومات کا ایک خزانہ ہے، اور اس میں اسلامی قانون کا نچوڑ آگیا ہے۔ مولانا ندوی نہایت سلجھی ہُوئی فکر اور رواں قلم کے مالک ہیں اور بڑے دلنشیں انداز میں بحث کرتے ہیں۔ موصوف کا اصل موضوع کلامیاتِ اسلام ہے۔ مگر اب اُنہوں نے فقہ و شریعت کو بھی کلام بنا دیا ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں اُن کی متعدد تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ خوبی بہت کم مصنفین میں پائی جاتی ہے۔ مصنف کے کلام میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔ وہ مختلف مباحث اور نکات کو بڑے سلیقے کے ساتھ ایسے انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں جو جدت و نُدرت کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں "تجدیدی" رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اور یہی چیز مولانا ندوی کی تمام تحریروں کی امتیازی خصوصیت ہے۔

بہرحال یہ کتاب ہر اعتبار سے مفید، کامیاب اور ذخیرۂ اسلامیات میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ شروع میں اسلامی قانونِ طلاق کے بارے میں مذکور اصطلاحات کی تشریح کر کے کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب علمی ہونے کے ساتھ ساتھ عوامی بھی نظر آتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا ترجمہ انگریزی اور علاقائی زبانوں میں کیا جائے۔ تاکہ اس وقت اسلامی طلاق کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا تدارک ہو سکے۔ اور یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیۓ۔

صادق حسن قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔ وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ امابعد۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تنہائی اور اُس کی وحشت کو دُور کرنے کے لئے عورت کو پیدا کیا ہے جو اُس کی رفیقِ حیات بن کر زندگی کے نشیب و فراز میں ہر ہر قدم پر اُس کا ساتھ دے سکے اور اُس کی مُونس و غمخوار بن کر زندگی کی گاڑی کھینچ سکے۔ اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی اور صرف مرد ہی مرد ہوتے تو یہ دنیا نہ تو چل سکتی اور نہ مرد کی وحشت دُور ہو سکتی۔ اسی طرح اگر دنیا میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوتیں تب بھی یہی صورتِ حال پیش آتی۔ لہٰذا اس کارخانۂ حیات کے تسلسل کے لئے مرد اور عورت دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے۔

مگر تمدنی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ ایک عورت گھر کی ملکہ ہوتے ہوئے بھی مرد کو ہمیشہ تمدنی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے لئے نیا جذبہ اور نیا ولولہ عطا کرتی رہتی ہے اور مرد کے جذبۂ تقدم و ترقی کو کسی بھی طرح سرد ہونے نہیں دیتی۔ اس لحاظ سے ساری تمدنی سرگرمیوں کا مرکز و محور عورت ہے۔ اور اُسی کے دم سے تہذیب و تمدن کا ارتقا ہو رہا ہے۔ اگر عورت نہ ہو تو پھر مرد کی زندگی سُونی سُونی ہو کر رہ جائے اور اُس کے تمام جذبات اور ولولے ٹھنڈے پڑ جائیں۔ اس لحاظ سے نظامِ تمدن میں عورت کا مقام نہایت درجہ اہم ہے۔

مگر موجودہ دور میں حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے عورت کو اُس کا صحیح مقام و مرتبہ دینے کے بجائے ایک طرف اُسے "آزادی" کے نام پر گھر سے بے گھر کر کے "آوارہ گردی" کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور اُس کی مظلومیت کا رونا روتے ہُوئے اُس کے "حقوق" کے نام پر اُس کے حقوق چھینے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف جہیز اور جوڑے گھوڑے کے نام پر اُس کا استحصال کرتے ہُوئے اُسے دل کھول کر

لُوٹا اور ستایا جا رہا ہے۔ گویا کہ وہ مرد کی خواہشاتِ نفسانی پُورا کرنے کے لئے ایک کھلونا ہی نہیں بلکہ سُسرالی مال پر ہاتھ صاف کرنے کا بھی ایک ذریعہ بن گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مقصدِ زندگی اتنا پست ہو جائے تو پھر عورت کی صحیح پوزیشن نظروں سے اُوجھل ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایک انسان اور ایک جانور میں کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ایسے خود غرض انسانوں سے جانور ہی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں سے اکثر انواع میں نر و مادہ کی باہمی اُنس و محبت مثالی ہوتی ہے اور جو ایک دوسرے کے لئے اپنی جان تک نچھاور کر دینے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ مگر آج انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود محض اپنی خود غرضی کے لئے اپنی شریکِ حیات اور وفاشعار بیوی پر ظلم و ستم کرنے اور اس بیچاری کی جان تک لینے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جوڑے اس لئے بنائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے ہمدردی و غمخواری، اُنس و محبت اور مہر و وفا کا برتاؤ کرتے ہُوئے عفت و عصمت اور مسرّت و شادمانی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر جو حقوق و فرائض عائد کئے ہیں اُنہیں بحسن و خوبی ادا کرتے ہُوئے ایک کامیاب اور مثالی زندگی بسر کریں، تاکہ آخرت میں بھی اُن کی نجات ہو سکے۔

مگر افسوس کہ موجودہ دور میں زندگی کی قدریں بدل گئی ہیں اور عورت کو صرف تجارت اور کام جوئی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ آج ہندستان جیسے ملکوں میں عورت کی کوئی وقعت و اہمیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ اُس کے حقوق بے دردی کے ساتھ پامال کئے جا رہے ہیں۔ بلکہ اُسے پیروں تلے روندتے ہُوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کبھی جہیز کے نام پر اُس کا گلا گھونٹ دیا جاتا تو کبھی ستی کے نام پر اُسے برسرِعام نہایت درجہ وحشیانہ طریقے سے آگ میں جھونک کر زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ اور تمام مرد و عورت اس مظلوم و بے سہارا عورت (بیوہ) کے جلنے کا تماشہ نہایت درجہ بے رحمی اور سفّاکی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس سماجی ظلم اور ناانصافی کے پیچھے صرف مرد کی خود غرضی اور حصولِ مال کا جذبہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ گویا کہ ایک انسانی جان کے مقابلے میں چند سکّوں کی زیادہ قدر و قیمت ہے۔ اس طرح اب اس سماجی ظلم و ستم کے اثرات اکثریتی فرقے سے نکل کر آہستہ آہستہ دوسرے فرقوں میں

بھی سرایت کر رہے ہیں۔ اور جہیز کی یہ وبا اب مسلمانوں میں بھی بتدریج پھیلتی دکھائی دے رہی ہے۔ مگر چونکہ اکثر ہندو مذہب کے برعکس اسلام میں طلاق کی آزادی حاصل ہے اس لئے اب مسلمانوں میں جب ایسے واقعات ہوتے ہیں تو بجائے اپنی شریکِ حیات کا گلا گھونٹ کر یا زندہ جلا کر مارنے کے اُسے زیادہ تر طلاق دے دی جاتی ہے۔ اس طرح آج کل (مُبینہ طور پر) طلاق کی جو کثرت نظر آتی ہے اُس کا ایک بڑا سبب جہیز کا رواج ہے۔ اگر یہ غلط اور غیر شرعی رواج ختم ہوجائے تو پھر یقین ہے کہ طلاق کے واقعات بھی بہت بڑی حد تک کم ہوجائیں گے۔

مگر اس سے انکار نہیں ہے کہ اس کے علاوہ طلاق کے دیگر اسباب بھی ہوسکتے ہیں لیکن آج کل مخالفینِ اسلام محض پروپگنڈے کی غرض سے انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔ یا ان کے اسباب بیان کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی ممالک میں طلاق پر بہت سی قانونی پابندیاں ہونے کے باوجود آج یورپ و امریکہ میں طلاق کی ہولناک حد تک کثرت نظر آتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام میں طـــلاق کی آسانیاں ہونے کے باوجود طلاق کے واقعات بہت کم ہیں جو حیرت انگیز ہیں۔ اور یہ بات یقیناً موجودہ گئے گزرے دور میں بھی اسلامی قدروں VALUES اور اسلام میں خاندانی نظام کی مضبوطی پر دلالت کرتی ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو طلاق کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ہونے ہی نہ پائے۔ کیونکہ ہندو مذہب کے رسم و رواج کے علاوہ مغربی تہذیب نے بھی دُنیا کی تمام قوموں اور تمام تہذیبوں کو متاثر کیا ہے۔ اور مغربی تہذیب کا بنیادی خمیر خود غرضی اور مفاد پرستی ہے۔ نہ صرف مختلف قوموں کے درمیان بلکہ ایک ہی قوم کے مختلف قبیلوں اور خاندانوں کے درمیان بھی۔ یہاں تک کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد بلکہ خود میاں بیوی کے درمیان بھی خود غرضی اور مفاد پرستی پوری طرح رچی بسی نظر آتی ہے۔ چنانچہ آج اس حیثیت سے مغربی ممالک میں خاندانی نظام تباہ ہوچکا ہے اور میاں بیوی کے درمیان رشتہ عیسائیت کے عقیدہ کے مطابق ایک "مقدس بندھن" کے بجائے محض ایک تجارتی قسم کا تعلق بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں آج کل مرد اور عورت محض ایک

دوسرے کو لُوٹنے اور ایک دوسرے سے لُطف اندوز ہونے کی غرض سے شادیاں کرتے ہیں۔ گروہ نکاح کے بندھن میں بندھے ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے وفادار نہیں ہوتے اور نہ ایک دوسرے پر قناعت کرنے والے ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ "خوب سے خوب تر" کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جیسے ہی اُنہیں کوئی دوسرا "اچھا ساتھی" نظر آتا ہے فوراً میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے الگ ہوکر (طلاق حاصل کرکے) دوسرے سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔ اور یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ اسی بنا پر مغربی ممالک میں طلاق کی وبا عام ہوگئی ہے اور خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند اقتباسات اور مستند اعداد و شمار ملاحظہ ہوں:

ایک امریکی مصنف ڈائر DYER اپنی کتاب "کورٹ شپ، میرج اینڈ فیملی" میں موجودہ امریکی معاشرے میں کثرتِ طلاق کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ اس کی شرح رفتار پر اکثر امریکیوں کو تشویش لاحق ہے:

> The current high and climbing divorce rates in the United States are a cause of concern to many Americans. (Courtship, Marriage and Family, P.225, The Dorsey Press, 1983)

پھر وہ اس سلسلے میں مختلف اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ ۱۹۷۸ء میں امریکہ میں جملہ ۲۲ لاکھ ۴۳ ہزار شادیاں ہوئیں اور ۱۱ لاکھ ۲۲ ہزار طلاقیں واقع ہوئیں۔ یعنی ہر دو شادیوں کا نتیجہ ایک طلاق پر منتج ہوا:

> In 1978 there were 1,122,000 divorces and 2,243,000 marriages in the United States. (P.226)

نیز وہ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ آج کل امریکی معاشرے میں لوگ شادی بیاہ دوامی بندھن یا ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری اور خیرخواہی کے جذبے کے تحت نہیں اپنی مقصد برآری کی خاطر عارضی طور پر کرتے ہیں۔ چنانچہ شادی شدہ مرد اور عورتیں نکاح کے بندھن میں بندھے رہنے کے

باوجود بہتر سے بہتر ساتھیوں کی تلاش میں رہتے ہیں :

> ....People now define marriage as temporary rather than permanent, and that even when already married man or womam is still on the lookout for a better marriage partner. (P.237)

نیز وہ تحریر کرتا ہے کہ امریکہ میں ہر سال زوجین کے درمیان بے وفائی کے تقریباً ایک لاکھ واقعات ہوتے ہیں۔ یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یا فرار ہوجاتے ہیں۔ (اور یہ واقعات طلاقوں کے علاوہ ہوتے ہیں)۔

> Estimates of the amount of desertion in the United States are not reliable since so many desertions are not ever recorded. Some estiamtes run to about 100,000 per year. (P.230)

وہ مزید تحریر کرتا ہے کہ مذہبی اور اخلاقی قدروں سے بھرپور معاشرے میں طلاق کی شرح بہت کم ہے :

> .... While in the East and North there are larger proportions of religious and ethnic groups more strongly opposed to divorce. (P.234)

ایک دوسری کتاب "سوشیالوجی انکوائرنگ انٹو سوسائٹی" کے تین امریکی مشترکہ مصنفین تحریر کرتے ہیں کہ طلاق کی شرح مغربی صنعتی معاشروں میں زیادہ ہے۔ لیکن امریکہ میں کثرتِ طلاق کی شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے :

> Rising divorce rates seem to occur in all western industrialized societies, but the United States now has the highest divorce rate in the world. (Sociology Inquiring into Society, P.219, New York, 1982)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مشرقی اور خاص کر مسلم ممالک میں حالات اتنے زیادہ خراب نہیں ہوئے ہیں، اور نہ طلاق کا اتنا بے جا استعمال ہو رہا ہے۔ مگر مغربی ممالک کی خود غرضیاں اور اُن کے تہذیبی اثرات یہاں بھی آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب انسان بجائے مقصدِ زندگی کو پیشِ نظر رکھنے کے خود غرضی اور عیاری پر اُتر آئے تو وہ اپنی مقصد برآری کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے کو اپنائے گا اور اپنے کام و دہن کی آسودگی کی خاطر کسی قسم کے جرم یا گناہ کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آئے گا۔ جب انسان کا اخلاق و کردار بگڑ جائے، اُس کا نقطۂ نظر بدل جائے اور وہ بجائے آخرت کے دُنیا ہی کو مقصود و محبوب بنالے تو پھر وہ وہی کرے گا جو اُس کے وقتی و فوری مفاد کے لئے وہ ضروری سمجھے گا۔ اس اعتبار سے بھی طلاق کی کثرت اور اُس کا ایک اہم سبب محض انسان کی خود غرضی ہے۔ لہٰذا قانونِ طلاق میں "اصلاح" کے بجائے خود لوگوں کے اخلاق اور اُن کے کردار و کیرکٹر میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

آج کل مسلمانوں میں معلوم نہیں کس طرح عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جب تک "تین" کا لفظ نہ بولا جائے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ تین طلاق کے الفاظ استعمال کرتے ہی صحیح اسلامی قانون کی رُو سے تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں اور بیوی طلاق دینے والے پر فوراً حرام ہوجاتی ہے۔ لہٰذا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مرد مجبوری کی حالت میں بیوی کو صرف ایک طلاق دے۔ اس صورت میں اُسے بعد میں شرمندگی اُٹھانی نہیں پڑتی۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو عدت کے اندر اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر مطلّقہ عورت کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے۔ لیکن تین طلاق دے دینے کی صُورت میں رُجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

اسلامی قانون کی رُو سے عورت کو بلاوجہ یا محض اپنی خود غرضی کی خاطر طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز نہ صرف ترقیٔ تمدن میں مانع ہوتی ہے بلکہ فسادِ تمدّن و معاشرت کا باعث بھی بنتی ہے۔ ہاں البتہ میاں بیوی کے اختلافِ مزاج کے باعث یا کسی اور وجہ سے ان دونوں میں اتنا بگاڑ پیدا ہوجائے جو ناقابلِ اصلاح ہو تو اس وقت اسلام میں اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں بھی ان دونوں کو باندھے رکھنا خرابیٔ معاشرت کا باعث ہوسکتا ہے۔ لہٰذا معاشرہ کو صحیح رُخ پر

چلانے کے لئے ایک متوازن مذہب میں طلاق کا ضابطہ موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ طلاق اصل میں ایک معاشرتی "آپریشن" ہے جو میاں بیوی کے درمیان اصلاح کے لئے آخری چارۂ کار کے طور پر ہونا چاہئے۔ جس طرح کہ بعض اوقات مریض کے لئے جب کوئی بھی دوا کارگر نہ ہو تو اُس وقت ڈاکٹر اُس کے آپریشن کا مشورہ دے گا۔ ورنہ آپریشن نہ کرنے کی صورت میں مریض کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

طلاق کا بے جا اور بے تحاشہ استعمال یقیناً غلط ہے۔ اور اس معاملے میں لوگوں کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ نیز اسی طرح آج کل بیک وقت یا بیک لفظ تین طلاق دینے کا جو غلط رواج چل پڑا ہے، اسے بھی روکنا بہت ضروری ہے اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اسلامی قانون سے روشناس کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں ضروری ہے کہ لوگ اسلام کے ضروری اور بنیادی احکام و مسائل سے برضا و رغبت واقفیت حاصل کریں۔ کیونکہ اسلام کے بنیادی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ ابنِ ماجہ کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر دینی علم کے حصول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص اصطلاحی طور پر عالم یا مولوی بن جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کو زندگی کے ضروری ضوابط کا علم ضرور حاصل کرنا چاہئے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اُسے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟ کیونکہ اللہ نے انسان کو آزاد اور خود مختار بنا کر نہیں پیدا کیا ہے۔ لہٰذا زندگی گزارنے کے لئے خُدا کے حکموں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ غرض انہی ضروری احکام میں نکاح و طلاق کے مسائل بھی ہیں، جو ایک خاندان کی تاسیس اور اس کے استحکام کے لئے نہایت درجہ ضروری ہیں۔ لہٰذا ان ضروری مسائل سے لاعلم ہونے کی صورت میں اکثر و بیشتر بھیانک نتائج رُونما ہوتے ہیں، جس کی بنا پر انسان شرعی اعتبار سے گنہگار ہوتا ہے۔

غرض اس باب میں تین طلاق کا مسئلہ سرِفہرست نظر آتا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو اس سے واقف رہنا بہت ضروری ہے کہ "تین طلاق" کا کیا مطلب ہے اور اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ جس طرح کہ یہ بات معلوم رہنا بھی بہت ضروری ہے کہ خود طلاق کی اجازت شریعت میں کیوں دی گئی ہے اور اس کا صحیح وقت اور صحیح طریقہ کار کیا ہے؟ طلاق کے سلسلے میں یہی چند اہم اور بنیادی مسائل ہیں۔

طلاق کی اجازت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اسے جب اور جس طرح چاہے استعمال کر بیٹھے۔ بلکہ اس سلسلے میں چند قیدیں اور شرطیں رکھی گئی ہیں جن کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، جن سے اسلامی شریعت کی حکمت و مصلحت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ قیود و شرائط اسلام کا تکمیلی کارنامہ ہیں، جن کی بنا پر اسلامی شریعت دیگر تمام مذاہب سے ممتاز نظر آتی ہے۔ اور یہ قوانین یقیناً اسلام کے ترقی یافتہ اور عقلی و سائنٹفک مذہب ہونے کی علامت ہیں، جن میں نام نہاد رجعت پسندی یا تاریک خیالی کی کوئی بات موجود نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت واقعہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ عصرِ جدید کی متمدن قومیں بھی بتدریج اسلام کے عائلی قوانین اور خاص کر اُس کے قانونِ طلاق سے اخذ و استفادہ پر مجبور نظر آ رہی ہیں۔ جیسا کہ مختلف مغربی ملکوں کے جدید قوانین سے ظاہر ہوتا ہے۔ خود ہندستان میں بھی ۱۹۵۵ء کے ہندو میرج ایکٹ اور ۱۹۷۶ء کے ترمیمی ایکٹ کا بھی یہی حال ہے جو اسلامی قانون سے متاثر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی قانون افراط و تفریط سے پاک ایک ایسا جامع اور متوازن قانون ہے جس کے تصوّر سے دنیا کے تمام مذاہب خالی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیائے علم و عقل میں اگر کسی قانون کی برتری تسلیم کی جا سکتی ہے تو وہ صرف اسلامی قانون ہے۔ مغرب زدہ لوگ اگرچہ اپنی زبان سے اسلامی قانون کی لاکھ مذمت کریں مگر وہ "پچھلے دروازے" سے اسلامی قانون کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں ترقی یافتہ ملکوں اور قوموں کا ایک چودہ سو سالہ "پُرانے" قانون کی طرف رُجوع کرنا اس بات کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ اسلامی قانون نہ تو بوسیدہ ہے اور نہ رجعت پسندی کی علامت۔ بلکہ وہ بالکل عقلی، سائنٹفک، برتر اور حیرت انگیز قانون ہے، جو موجودہ ترقی یافتہ دور کی رہنمائی بھی بالکل اسی طرح کر سکتا ہے جس طرح کہ اُس نے چودہ سو سال پہلے اپنا یہ فریضہ بدرجۂ احسن انجام دیا تھا۔ اور اس لحاظ سے موجودہ دور کو بھی اسلامی قانون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ اب سے چودہ سو سال پہلے تھی۔

جب یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ اسلامی قانون نہ تو فرسودہ ہے اور نہ بوسیدہ، بلکہ وہ ایک سائنٹفک اور ترقی یافتہ قانون ہے، جو اُس کے من جانب اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور وہ ہر دور میں ایک

صالح اور مفید تمدنی قانون بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو اب اس کی اتباع میں کسی قسم کی حیلہ سازی اور تنگ نظری کا مظاہرہ کرنا بہت بڑی بدقسمتی اور محرومی کی بات ہوگی۔

اسلامی شریعت ہر دور اور ہر ملک کے لئے صالح اور مفید قانون ہے۔ لہٰذا اب ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے اس ابدی قانون پر پوری ایمانداری اور شرحِ صدر کے ساتھ عمل کریں۔ مگر اس پر چلنے اور عمل کرنے کے لئے پہلے اس کا صحیح علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ آج عام مسلمان تو درکنار اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی اسلام کے قانونِ طلاق سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں۔ بلکہ اس سلسلے میں لوگوں کی معلومات نہایت درجہ ناقص ہیں۔ اور بعض شر پسند تحریکوں نے اس سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات پیدا کر کے معاملے کو اور بھی زیادہ مشتبہ بنا دیا ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اسلام کے قانونِ طلاق پر قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ایک مختصر لیکن مستند مجموعہ آسان انداز میں مرتب کر دیا جائے تاکہ اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہو اور کم تعلیم یافتہ لوگ بھی اس سے بخوبی مستفید ہوں۔ اور انہیں معلوم ہو کہ اسلام جیسے ابدی دین نے جو ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اس سلسلے میں کونسے قیمتی اُصول ان کے لئے تجویز کئے ہیں؛ نیز یہ کہ طلاق کا قانون مجموعی اعتبار سے آیا ترقیٔ تمدن کے لئے مفید ہے یا اس میں حارج؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمان خود اپنے قانون اور اپنی شریعت پر پوری ایمانداری کے ساتھ عمل کریں تو یقین ہے کہ عملی اعتبار سے اس کے اتنے بہتر نتائج برآمد ہوں گے جو ساری دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوں گے اور دنیا کی قومیں اسلامی قانون کی صلاحیت اور اُس کی خوبیوں کا بھرپور نظارہ کر سکیں گی۔

انہی تمام مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے یہ کتاب حتی المقدور آسان انداز میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے تین ابواب ہیں: پہلے باب میں بطورِ تعارف طلاق کے ضروری مسائل کا بیان مستند کتبِ فقہ کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں طلاق اور عدت کے بارے میں قرآن میں جو مجمل آیات مذکور ہیں ان کی تشریح و تفسیر مستند کتبِ تفاسیر کی روشنی میں کی گئی ہے اور اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کے اُسلوب اور اس کے طرزِ بیان کی بھی وضاحت کرتے ہوئے صحیح

اسلامی قانون کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر تیسرے باب میں مختلف کتبِ حدیث سے طلاق و عدت کے مسائل کا ایک جامع انتخاب مع تشریح و توضیح پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس کے علاوہ اختصار کے ساتھ بعض اختلافی مسائل اور اختلافی احادیث کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف حدیثوں کے درمیان پیدا ہونے والے ظاہری اختلافات کو بھی دُور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ آج کل ہندستان میں بعض مخالفِ شریعت تحریکیں بعض اختلافی مسائل کو چھیڑ کر عوام کو صحیح اسلامی قانون سے برگشتہ کرنے کی جو جدوجہد کر رہی ہیں ان کا بھی بخوبی توڑ ہو سکے۔ اور اس اعتبار سے دوسرا اور تیسرا باب کافی اہم ہے جو ذرا علمی قسم کا ہے۔ مگر پھر بھی عوامی ذہن کو مدنظر رکھتے ہوئے اور دقیق علمی بحثوں سے پرہیز کرتے ہوئے چند موٹے موٹے اُصول بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، تاکہ عوام انہیں بخوبی سمجھ لیں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس بحث کے ملاحظہ کے بعد عوام صحیح اسلامی قانون سے برگشتہ کرنے والی کسی بھی تحریک کے بہکاوے میں نہیں آسکیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ آج کل بعض جدید طلقوں میں (جو اسلامی شریعت کے خلاف ہیں) فقہ اسلامی کے بارے میں جس بے اعتباری کا اظہار کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کے اصل احکام سے ہٹی ہوئی ہے، یعنی فقہاء نے گویا کہ جان بوجھ کر بعض مسائل میں قرآن اور حدیث کے خلاف اپنی مرضی سے استنباط کر لیا ہے، اس کا توڑ یہ ہے کہ اب ہمارے علمائے کرام فقہِ اسلامی کو موافقِ قرآن و حدیث ثابت کرنے کے لئے فقہ اسلامی کو نئے سرے سے اس انداز میں مرتب کریں کہ وہ قرآن اور حدیث ہی کی خوشہ چین نظر آئے اور کہیں بھی کوئی تضاد دکھائی نہ دے۔ یہ بھی موجودہ چیلنج کا ایک صحیح اور بروقت جواب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنی مجملات کی تشریح و توضیح حدیثِ نبوی سے ہوتی ہے۔ اور قرآن و حدیث کے نصوص (واضح بیانات) کی روشنی میں فقہاء نے جزئی احکام و مسائل کا استنباط کیا ہے۔

بہر حال اس مجموعہ میں قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی تینوں کو یکجا طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر عوامی ضروریات کے لئے اس سلسلے کا پہلا باب ہی کافی ہوگا۔ جبکہ دوسرا اور تیسرا باب متوسط طبقے

کی ضروریات اوران کی تشنگی کو دُور کرسکتا ہے۔ غرض اس کتاب میں مختصر طور پر قرآن، حدیث اور فقہ سے طلاق وعدّت کے اہم اور ضروری مسائل کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور شرعی اصطلاحات کا ایک فرہنگ بھی شامل کرکے اس کو عام فہم بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی ہے۔ قرآن اور حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں اُن کے عنوانات قائم کئے گئے ہیں تاکہ وہ عوام کے ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جائیں۔ بعض موقعوں پر ضروری مسائل کے ساتھ ساتھ کچھ دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ مجموعہ اصلاً عوام کے لئے ہے اس لئے اس میں اکثر و بیشتر مسائل کا تکرار بھی ملے گا جو اُسلوب بدل بدل کر پیش کیا گیا ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ اس مجموعے کو مقبول اور نافع بنائے۔

خادمِ ملت

محمد شہاب الدّین ندوی

۹/۱۱/۱۴۰۸ھ

بعض اصطلاحات کی تشریح

ذیل میں طلاق اور عدّت سے متعلق اسلامی شریعت میں استعمال ہونے والی اہم اصطلاحات کا معنی و مفہوم واضح اور آسان انداز میں بیان کیا جاتا ہے، جس کے باعث ہر مسلمان کو شریعت کے مسائل جاننے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ نیز ہر اصطلاح کے سامنے قوسین (براکٹ) میں اس کے لفظی معنی بھی لکھ دئے گئے ہیں، تاکہ ان اصطلاحات کو سمجھنے میں مزید آسانی اور سہولت رہے۔

طَلاق: (بندش کھول دینا) میاں بیوی کے درمیان نکاح کا جو معاہدہ ہوا ہے اُسے (کسی مخصوص لفظ کے ذریعہ) ختم کر دینا۔ یعنی نکاح کی قید سے آزاد ہو جانا۔ گویا کہ اُس نے نکاح کی بندش کھول دی ہے۔

خُلع: (اُتار پھینکنا) عورت کے مطالبے پر کچھ مال کے عوض یا بغیر کسی عوض کے مرد کا عورت کو طلاق دینا۔ (خُلع اصلاً طلاق ہے، کیونکہ وہ عورت کے مطالبے پر دی جاتی ہے۔)

حَیض: (ماہواری میں جاری ہونے والا خون) عورت کی ماہواری یعنی اُس کی ناپاکی کی حالت، جو اُسے ہر ماہ پیش آتی رہتی ہے۔ (حائضہ: حیض والی عورت)۔

طُہر: (پاکی) عورت کی پاکی کی حالت۔ یعنی دو ماہواریوں کے درمیان کا عرصہ۔

طلاقِ صَریح: (واضح طلاق) طلاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جو صراحتاً طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے ہوں اور جن میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا: "تجھے طلاق ہے" یا "مَیں نے تجھے طلاق دی"۔ اس قسم کے الفاظ میں نیّت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی پڑ جاتی ہے۔

طلاقِ کِنایہ: (غیر واضح طلاق) ایسے الفاظ کے ذریعہ طلاق دینا جو صراحتاً طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے نہ ہوں، بلکہ وہ گول مول الفاظ ہوں۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا:

(۱) تُو جُدا ہو چکی ہے۔ (۲) تُو حرام ہے۔ (۳) تیری رسّی تیرے کاندھے پر ہے۔ (۴) تُو اپنے میکے چلی جا۔ (۵) مَیں نے تجھے چھوڑ دیا۔ (۶) تُو خود اپنی مختار ہے۔ (۷) مَیں نے تجھے تیرے گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ (۸) کوئی اَور شوہر ڈھونڈھ لے وغیرہ۔ تو ان سب صورتوں میں بغیر نیّت یا قرینے کے طلاق نہیں پڑتی۔ قرینے سے مُراد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی تو اُس موقع پر مرد نے اس قسم کے الفاظ استعمال کئے یا یہ الفاظ غصّے کی حالت میں کہے۔ اور ان الفاظ کے ذریعہ ایک طلاقِ بائن پڑتی ہے۔ اور اگر تین کی نیّت کرلے تو تینوں پڑ جاتی ہیں۔

طلاقِ رَجعی : (لَوٹنے والی طلاق) وہ طلاق ہے جس سے نکاح نہیں ٹُوٹتا، بلکہ وہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔ اور اس دوران مرد جب چاہے طلاق سے رُجوع کرکے (دی ہُوئی طلاق کو واپس لے کر) عورت کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے اور جب چاہے اُس سے ہم بستری کر سکتا ہے۔ لیکن ہم بستری کرنے کا مطلب (حنفی مسلک کے مطابق) یہ ہوگا کہ اُس نے طلاق سے رُجوع کرکے مُطلّقہ کو پھر سے بیوی بنا لیا ہے۔

طلاقِ بائن : (جُدا ہونے والی طلاق) وہ طلاق ہے جس میں نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور مرد کو رُجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، چاہے طلاق بائن ایک دی جائے یا دو یا تین۔ مگر ہاں تین کا عدد پورا ہونے سے پہلے مرد عدّت کے اندر یا عدّت کے بعد اُسی عورت سے اس کی رضامندی اور نئے مہر کے ساتھ دوبارہ (بغیر حلالے کے) نکاح کر سکتا ہے۔

نوٹ : طلاقِ رجعی کے برعکس طلاقِ بائن میں مرد کو عورت سے نئے نکاح کے بغیر ہم بستری کا حق باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ طلاقِ رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے، جب کہ طلاقِ بائن میں نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

طلاقِ مُغلّظہ : (سخت طلاق) اکٹھا طور پر یا متفرق طور پر تین طلاق دینا طلاقِ مُغلّظہ ہے، خواہ وہ ایک ہی مجلس (بیٹھک) میں ہوں یا ایک ہی طُہر میں دی گئی ہوں۔ ایسی صورت میں نہ تو مرد کو رُجوع کرنے (اپنی دی ہُوئی طلاق واپس لینے) کا اختیار باقی رہتا ہے اور نہ وہ بغیر

حلالے کے دوبارہ اُس عورت سے نیا نکاح کر سکتا ہے۔ (طلاقِ مُغلّظہ کی چند دوسری صُورتیں بھی ہیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں کیا گیا ہے۔)

رَجعت : (رُجوع کرنا یا لَوٹنا) عدّت کی حالت میں مُطلّقہ عورت کو نئے نکاح کے بغیر پھر سے بیوی بنا لینا۔

عِدّت : (گِننا یا گِنتی کرنا) طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد ایک مقرّرہ مدت تک عورت کا وہ انتظار جو شوہر کی جانب سے مِلکِ نکاح کے زائل ہو جانے پر شریعت کی جانب سے لازم آتا ہے۔ اور اس مدت کے درمیان عورت نکاحِ ثانی نہیں کر سکتی۔

طلاقِ اَحسن : (سب سے اچھی طلاق) مدخولہ عورت کو ایسے طُہر میں ایک طلاق دینا جس میں اُس نے عورت سے ہم بستری نہیں کی ہے، یہاں تک کہ اُس کی عدّت گزر جائے۔

طلاقِ حَسَن : (اچھی طلاق) مدخولہ (صحبت شدہ) عورت کو تین طُہروں میں تین طلاق (ہر طُہر میں ایک ایک کرکے) ہم بستری کئے بغیر دینا۔ (کیونکہ جس طُہر میں عورت سے ہم بستری کی جا چکی ہو اُس میں طلاق دینا حرام ہے)۔

طلاقِ بِدعی : (خلافِ سُنّت طلاق) حیض کی حالت میں طلاق دینا، یا ایسے طُہر میں طلاق دینا جس میں مرد عورت سے ہم بستری کر چکا ہو، یا ایک ہی طُہر میں تین طلاق دینا، خواہ وہ بیک لفظ ہو یا متفرق طور پر۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ "تجھے تین طلاق ہے"۔ یا یوں کہے کہ "تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے"عہ۔ یا تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفہ سے یا ایک ایک دن کے وقفہ سے ایک ایک طلاق دے ڈالے۔ ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

حَلالہ : یعنی عورت کا دوبارہ حلال ہونا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنی منکوحہ کو تین طلاق (خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو) دے دے تو وہ دوسرا خاوند کئے بغیر پہلے کے لئے

عہ اس مسئلے پر تفصیل کے لئے دیکھئے تیسرا باب حدیث ۸

حلال نہیں ہوسکتی۔ اور اس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں: (۱) دوسرا نکاح صحیح طریقے سے منعقد ہُوا ہو۔ (۲) دوسرا شوہر ہم بستری کرچکا ہو۔ (۳) پھر دوسرا شوہر از خود طلاق دے چکا یا وفات پاچکا ہو۔ (۴) دوسرے شوہر سے طلاق لینے کے بعد اُس کی عدّت بھی گزر چکی ہو۔ پھر اس کے بعد عورت اگر پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر رضامند ہو تو نئے مہر اور نئے گواہوں کے ساتھ دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ حلالہ کے لئے مشروط طور پر نکاح کرنا اور کرانا حرام ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نکاح کرنے اور کرانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

مُطلّقہ: (طلاق شدہ) وہ عورت جسے طلاق دی جاچکی ہو، یعنی طلاق والی۔

(مُطلّقہ) بائنہ صُغریٰ: (چھوٹی جُدائی والی) اُس مطلقہ عورت کو کہا جاتا ہے جس سے عدّت کے اندر رُجوع نہیں کیا جاسکتا (بخلاف مُطلّقہ رجعیہ کے)۔ مگر ہاں ایسی عورت سے عدّت کے اندر یا عدّت کے بعد بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

(مُطلّقہ) بائنہ کُبریٰ: (بڑی جُدائی والی) وہ مطلّقہ جو طلاق کے فوراً بعد حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی تین طلاق والی، خواہ اُسے تین طلاق یکساتھ دی گئی ہو یا الگ الگ۔ اور ایسی عورت طلاق دینے والے پر اُس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ اُس کا حلالہ نہ ہوجائے۔

مُطلّقہ رَجعیہ: وہ مطلّقہ جس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو۔ یعنی لوٹانے والی طلاق جو ایک یا دو تک ہو (تین سے کم)۔

مَدخولہ (دُخول شدہ) وہ عورت جس سے نکاح کے بعد مباشرت (ہم بستری) کی جاچکی ہو۔

غیر مدخولہ: (غیر دخول شدہ) وہ عورت جس سے نکاح کے بعد مباشرت نہ کی گئی ہو۔

منکوحہ: (نکاح کی ہُوئی) وہ عورت جو قیدِ نکاح میں ہو، یعنی بیاہی ہُوئی۔

طلاق کے سلسلے میں

چند ضروری باتیں

نکاح کا اصل مقصد

اللہ نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ (بقرہ: ۱۸۷) یعنی دونوں ایک دوسرے کی زینت اور راز و نیاز کا باعث ہیں۔ اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے سکونِ قلب اور راحت کا ذریعہ ہیں۔ (روم: ۲۱) اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی قلبی تسکین و راحت اور باہمی ہمدردی و غمخواری کے لئے پیدا کیا ہے، نہ کہ موج و مستی نکالنے کی غرض سے۔ اور اس اعتبار سے مرد اور عورت کا تعلق نکاح کے ذریعہ عمر بھر کے لئے ہونا چاہئے۔ یعنی جب کوئی نکاح کا ارادہ کرے تو اُس کے سامنے اہم مقصد یہ ہو کہ وہ اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ وابستہ ہو کر عُمر بھر اُس کا جیون ساتھی بنا رہے گا اور باہمی ہمدردی و غمخواری کے ذریعہ اُس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ تاکہ اس طرح حرامکاری سے بچنے اور ایک پاکیزہ زندگی گزارنے میں بھی مدد مل سکے اور یہ جذبہ و رویّہ میاں بیوی دونوں میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھا سکیں اور ایک دوسرے پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض بخوبی ادا کرسکیں۔ اس طرح باہمی میل ملاپ کے، باعث نسلِ انسانی کا تسلسل بھی قائم رہے گا اور تمدن و معاشرت میں توازن اور سُدھار بھی پیدا ہوگا، جو کہ ایک مثالی زندگی کے لئے مطلوب ہے۔

حُسنِ معاشرت کا تقاضا

انسانی زندگی ہمیشہ اور ہر حال میں یکساں نہیں رہتی۔ بلکہ اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ کبھی میاں کو بیوی کی کوئی حرکت ناپسند ہوتی ہے تو کبھی اس کے برعکس بیوی کو میاں کی کسی بات سے چِڑھ ہوجاتی ہے۔ اور ایسا ہونا ایک فطری بات ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی معمولی

معمولی بات پر دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہونے کا فیصلہ کرلیں۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے، جو ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی فطرت میں کچھ نقص رہتا ہے، جسے برداشت کرنا چاہئے۔ ورنہ اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش میں اُس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یعنی ایسی صورت میں نتیجہ طلاق ہوسکتا ہے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر اُسے عورت کی کوئی بات یا اُس کی کوئی عادت ناپسند ہو تو حُسنِ معاشرت اور حُسنِ اخلاق کے تقاضے کے لحاظ سے وہ اُسے برداشت کرنے کی عادت ڈالے۔ نہ کہ جھٹ خفا ہو کر طلاق دے بیٹھے۔ اگر کسی عورت میں کچھ خامیاں ہوں تو اُس میں کچھ خوبیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا مردوں کو عورتوں کی خامیوں سے زیادہ اُن کی خوبیوں پر نظر کرنی چاہئے۔ اور اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صبر و تحمل کے عوض میں مردوں کے لئے انجام کار بہت سی بھلائیاں رکھ چھوڑی ہوں۔ (نساء : ۱۹) اس اعتبار سے مرد کو جلد بازی میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ نیز اس سلسلے میں مرد کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا اُس کے مسئلے کا صحیح علاج نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دوسری بیوی میں وہ خوبیاں موجود نہ ہوں جو پہلی بیوی میں پائی جاتی ہوں۔

طلاق سے پہلے اصلاح ضروری

بہرحال میاں بیوی کے درمیان اختلافات جب شدت اختیار کرلیں، جس کی بنا پر دونوں کو ایک دوسرے کے فرائض ادا کرنا مشکل ہوجائے تو اس صورت میں قرآن مجید کا حکم ہے کہ طلاق دینے سے پہلے ایک پنچ یا ثالث بیٹھ کر ان دونوں کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرے۔ (نساء : ۳۵) اور اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے گھرانے سے ایک ذمہ دار آدمی اور بیوی کے گھرانے سے ایک ذمہ دار آدمی مل کر دونوں کے بیانات سُنیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کے درمیان صُلح صفائی کرنے کی کوشش کریں۔ مگر اس کے باوجود بھی کوئی تصفیہ نہ ہوسکے اور میاں بیوی ضد اور ہٹ دھرمی پر اُتر آئیں تو

اس صورت میں طلاق کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اور طلاق ان دونوں ثالثوں کی سفارش سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ ان دونوں کو یہ یقین ہوجائے کہ میاں بیوی کو جُدا کردینا (طلاق دلا دینا) ہی ان کے حق میں مناسب ہوگا۔ گویا کہ اب وہ دونوں مل جل کر زندگی گزارنے پر کسی بھی طرح راضی نہیں ہوسکتے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ

مگر اس صورت میں بھی بیک وقت تین طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ عورت کو صرف ایک طلاق دینی چاہئے۔ کیونکہ اس کے بعد مرد کو عورت کی عدت کے اندر ایسی طلاق واپس لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ مگر بیک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں یہ اختیار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ نیز طلاق کے سلسلے میں یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اپنی عورت کو جب اور جس وقت چاہا طلاق نہیں دی جا سکتی بلکہ اس کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں جو یہ ہیں: (۱) عورت پاکی کی حالت میں ہو، یعنی حیض کی حالت میں نہ ہو۔ (۲) شوہر جس طُہر (پاکی کی حالت) میں بیوی کو طلاق دے رہا ہے اُس میں اُس نے بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ ورنہ ایسی طلاق شریعت کی نظر میں ناجائز اور حرام ہوگی۔

حاصل یہ کہ عورت کو بیک وقت تین طلاق دینا، یا حیض کی حالت میں طلاق دینا، یا ایسے طُہر میں طلاق دینا جس میں وہ عورت سے ہم بستری کرچکا ہو، بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فقہاء ایسا کرنے کو حرام بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ طریقہ جاہلانہ اور شریعتِ اسلامی کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ نے اُنہیں طلاق کا حق اس لئے نہیں دیا کہ وہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں طلاق دے دیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ اور اس فعل کی بدولت نہ صرف میاں بیوی کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں بلکہ دو خاندانوں میں دائمی طور پر نفرت اور دشمنی بھی پیدا ہوجاتی ہے، جس سے شیطان اور اُس کے چیلوں کو ہی خوشی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا طلاق کے حق کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔ طلاق کوئی کھلونا نہیں ہے کہ ایک شخص اُسے ہاتھ میں لے کر کھیلنے بیٹھ جائے۔ بلکہ طلاق دینے سے پہلے آدمی کو ہزار بار سوچ لینا چاہئے کہ وہ کیا کرنے جارہا ہے! طلاق کا لفظ منہ سے نکالتے ہی رشتۂ ازدواج پوری طرح کٹ جاتا ہے اور عنداللہ طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

خواہ وہ بعد میں جھوٹ بول کر اپنے قول سے مکر جائے۔ مگر وہ آخرت کی سزا سے تو کسی حال میں بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو طلاق کے استعمال کے وقت خُدا اور آخرت کا خوف کرنا چاہیئے۔ اور اللہ کے قائم کردہ حدود وضوابط سے کسی بھی حال میں تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ ایسے شخص کا انجام بہت بُرا ہوسکتا ہے۔

طلاق کب جائز اور کب ناجائز ہوگی؟

بعض علماء نے لکھا ہے کہ طلاق کے جائز یا ناجائز ہونے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں جو یہ ہیں:

(۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) اور مکروہ۔

۱۔ طلاق واجب اُس وقت ہوجاتی ہے جب کہ میاں بیوی کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے والے ثالثوں کی رائے یہ ہو کہ ان دونوں کو الگ کردینا ہی بہتر ہے۔

۲۔ طلاق مستحب (بہتر) اُس وقت ہوتی ہے جب کہ میاں بیوی متفق نہ ہوں اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا شدت اختیار کرلے۔ اس صورت میں گناہ سے بچنے کے لئے ان دونوں کا الگ ہوجانا ہی بہتر ہے۔

۳۔ طلاق ناجائز یا حرام اُس صورت میں ہوتی ہے جب کہ مدخولہ (صحبت شدہ) عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دی جائے، یا ایسے طُہر میں طلاق دی جائے جس میں عورت سے ہم بستری کی جاچکی ہو۔

۴۔ اور طلاقِ مکروہ (ناپسندیدہ) اُس صورت میں ہوگی جب کہ میاں بیوی کے تعلقات نارمل ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کررہے ہوں۔ (تفسیر ابن جوزی ۱/۲۶۴)

طلاقِ مُغلّظہ کی چند صورتیں

طلاقِ مُغلّظہ (سخت طلاق) کی حقیقت اکثر لوگوں پر واضح نہیں ہے۔ یا لوگ عام طور پر اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بیک وقت تین طلاق دینے ہی کا نام ہے۔ مگر وہ سُنّت طریقے کے مُطابق تین مرتبہ (الگ الگ طور پر) دینے سے بھی واقع ہوسکتی ہے۔

بہرحال اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ کسی نے ایک ہی لفظ میں تین طلاق دے دی، جیسے یوں کہا کہ "تجھے تین طلاق ہے"۔ یا یوں کہا "میں نے تجھے تین طلاق دی"۔ یا ایک ہی مجلس میں متفرق طور پر تین طلاقیں دیں یعنی (ایک ہی بیٹھک میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک ایک کرکے)۔ جیسے یوں کہا کہ تجھے طلاق ہے یا تجھے ایک طلاق ہے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد یوں کہا تجھے دوسری طلاق ہے۔ اسی طرح پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ تجھے تیسری طلاق ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر طلاقِ مُغلّظہ پڑجاتی ہے۔ اور عورت طلاق دینے والے پر فوری طور پر حرام ہوجاتی ہے اور اُس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرلے اور پھر دوسرے شوہر سے ہم بستر ہونے کے بعد اُس سے طلاق حاصل نہ کرلے، یا دوسرا شوہر فوت نہ ہوجائے۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ عورت کو سُنّت طریقے کے مُطابق طُہر (پاکی کی حالت) میں ایک طلاق دی۔ پھر حیض آنے کے بعد دوسرے طُہر میں دوسری طلاق دی۔ پھر اسی طرح تیسرے طُہر میں تیسری طلاق دی۔ تو اس صورت میں بھی طلاقِ مُغلّظہ واقع ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اس طرح طلاق دینا جائز ہے، بخلاف پہلی قسم کے جو ناجائز ہے۔ (اور اس قسم کی طلاق کو اصطلاح میں "طلاقِ حَسن" کہتے ہیں)۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کو سُنّت طریقے کے مطابق ایک طلاق دی، مگر عدّت کے دوران اُس سے رجوع کرلیا۔ تو اس صورت میں میاں بیوی کے تعلّقات تو بحال ہوگئے، مگر ایک طلاق کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب اُس کے ہاتھ میں صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر آئندہ پھر کبھی وہ سُنّت طریقے کے مطابق دوبارہ ایک طلاق دیتا ہے تو اس صورت میں دو طلاقوں کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور اُس کے ہاتھ میں اب صرف ایک ہی طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس کے بعد پھر کبھی (خواہ وہ کتنی ہی مدّت کے بعد کیوں نہ ہو) سہ بارہ صرف ایک ہی طلاق دینے کی صورت میں بھی عورت پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اب تین کا عدد پورا ہوچکا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں تیسری طلاق دیتے ہی بیوی فوراً حرام ہوجاتی ہے اور اُس کا

"حلالہ" ہونے تک وہ حرام رہتی ہے۔

تین طلاق دینے والے کو سزا دی جائے

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے دورِ خلافت میں بیک وقت تین طلاق دینے والوں کی پٹائی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو آپ کے پاس لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو آپ نے اس کی پیٹھ پر مارا۔ (شرح معانی الآثار ۲/۳۸)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ غیر مدخولہ عورت کو تین طلاق دینے پر حضرت عمرؓ میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیتے (دونوں کو جُدا کر دیتے) اور شوہر کی پٹائی کرتے تھے۔ (مُصنّف عبد الرزاق ۶/۳۳۲)

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں ایک بیکار قسم کا آدمی تھا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں تو اُس نے حضرت عمرؓ سے رُجوع کیا اور کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس پر آپ نے اُس کے سر پر دُرّہ بلند کیا اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی۔ (مُصنّف ابن ابی شیبہ، ۵/۱۲)

اس طرح کی تادیبی کاروائی آج بھی بہت ضروری ہے۔ تاکہ لوگ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے طلاق دینے کے اس غلط طریقے سے باز آئیں۔ اگر کسی شہر یا ملک میں اس طرح چند لوگوں کی پٹائی کی جائے اور پبلک مقامات میں ایسے لوگوں کو دو چار دُرّے لگائے جائیں تو اس کی بخوبی تشہیر ہو سکتی ہے اور لوگ غلط طریقے سے باز آ سکتے ہیں۔ بلکہ موجودہ حالات میں یہ اقدام بہت ضروری ہے۔ اور ضرورت ہے کہ مُسلم ملکوں میں آج اس نسخہ کو پھر سے آزمایا جائے، جس کی وجہ سے معاشرتی خرابیوں کا سدِّباب ہو سکتا ہے۔

طلاق کے بعض ضروری مسائل

فقہ اسلامی کی روشنی میں

قرآن اور حدیث میں مذکور طلاق اور عدت کے احکام و مسائل بیان کرنے اور ان کی تشریح و تفسیر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ فقہ اسلامی میں ان احکام و مسائل کی جو تعریف و توجیہ فقہاء نے کی ہے اُنہیں بعض ضروری مسائل کے ساتھ بطور تمہید بیان کر دیا جائے۔ تاکہ ان مسائل کی نوعیت اور ان کا صحیح تصور و خاکہ قارئین کے ذہن میں رہے، جس کے باعث قرآن اور حدیث کے احکام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

طلاق کی تعریف

(۱) لُغت میں طلاق کے معنی ہیں "بندش کھول دینا"۔ جیسے گھوڑے یا قیدی کی بندش کھول دینا (انہیں آزاد کر دینا)۔ اور اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد "میاں بیوی کے درمیان نکاح کی بندش کھول دینا ہے"۔[1] یعنی قیدِ نکاح سے چھٹکارا حاصل کر لینا۔

طلاق کے ارکان

(۲) طلاق کے چار ارکان ہیں جو یہ ہیں:۔

۱۔ طلاق کا پہلا رکن شوہر ہے۔ چنانچہ طلاق صرف شوہر کے دینے ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اجنبی یا غیر متعلق شخص (مثلاً شوہر کا باپ یا بھائی وغیرہ) طلاق دے دے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسے غیر متعلق افراد طلاق دینے کے مُجاز نہیں ہیں، جن کے ہاتھ میں نکاح کو توڑنے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ بات طلاق کی تعریف سے معلوم ہو چکی ہے کہ طلاق کے معنی نکاح کی بندش کھول دینے کے ہیں۔ (ہاں اگر شوہر طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل مقرر کر دے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو سکتی ہے)

۲۔ طلاق کا دوسرا رکن بیوی ہے۔ چنانچہ اگر وہ کسی اجنبی عورت کو طلاق دے دے تو وہ

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة، ۴/۲۷۸، مطبوعہ بیروت

واقع نہیں ہوگی۔ (اِلّا یہ کہ طلاق دینے والا اُس کے شوہر کی جانب سے وکیل ہو)۔

۳۔ طلاق کا تیسرا رکن صیغۂ طلاق ہے۔ یعنی طلاق ایسے لفظ کے ذریعہ دی جائے جو قیدِ نکاح کو رفع کرنے پر دلالت کرنے والا ہو، خواہ وہ لفظ صریح ہو یا مجاز وکنایہ (یعنی گول مول لفظ)۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں "طلاقِ صریح" اور "طلاقِ کنایہ" کے تحت آئے گی۔

۴۔ طلاق کا چوتھا رکن قصد وارادہ ہے۔ یعنی طلاق کا لفظ استعمال کرتے وقت طلاق دینا مقصد ہو۔ چنانچہ اگر کسی کی بیوی کا نام طاہرہ ہو اور اُس نے غلطی سے "اے طاہرہ" کے بجائے "اے طالقہ" (اے طلاق والی) کہہ دیا تو اس سے عنداللہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر قاضی طلاق واقع ہوجانے کا فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ نیتوں کا حال صرف خدا ہی کو معلوم ہے۔[۲]

طلاق کی شرائط

(۳) طلاق دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ :-

۱۔ عاقل ہو۔ لہٰذا مجنوں یا پاگل شخص کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۔ بالغ ہو۔ لہٰذا نابالغ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳۔ نیند کی حالت میں نہ ہو، بلکہ بیداری کی حالت میں طلاق دے رہا ہو۔[۳]

(۴) مسئلہ : اگر کسی نے ازراہِ مذاق طلاق دی تو وہ واقع ہوجائے گی۔[۴]

(۵) مسئلہ : اگر کسی نے نشہ کی حالت میں طلاق دی تو وہ واقع ہوجائے گی۔[۵] چاہے وہ نشہ شراب کی وجہ سے ہو یا بھنگ اور افیون وغیرہ کی وجہ سے۔ اور اس سے مراد ایسا بدمست شخص ہے جس کو مرد اور عورت یا زمین و آسمان میں کوئی فرق دکھائی نہ دے۔[۶]

۲؎ خلاصہ از کتاب الفقہ، ۴/۲۸۰ - ۲۸۱

۳؎ درّمختار برحاشیہ ردّالمحتار ۲/۴۵۳، نیز ہدایہ اوّلین ص ۳۳۸

۴؎ ردّالمحتار، ۲/۴۵۹، مطبوعہ کوئٹہ (پاکستان)

۵؎ ہدایہ، اولین، ص ۳۳۸

۶؎ درمختار مع ردالمحتار، ۲/۴۵۹ - ۴۶۰

(۶) مسئلہ : اگر کسی کو مجبور کرکے زبردستی اُس کی بیوی کو طلاق دلائی گئی تو حنفی مسلک کے مطابق ایسی طلاق واقع ہوجائے گی۔[۷]

(۷) مسئلہ : اگر کسی نے غصہ کی حالت میں طلاق دی ہے تو بعض علماء نے (تحقیقی طور پر) اس کی تین قسمیں قرار دی ہیں جو یہ ہیں :

۱۔ طلاق ایسی حالت میں دی ہے جب کہ غصہ کا آغاز ہُوا ہے اور اُس کی عقل یا ہوش میں کوئی تغیر نہیں ہُوا ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُس کے مفہوم کو وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ تو اس صورت میں بلاشبہ طلاق پڑجائے گی اور بالاتفاق اس کے کلام کے مطابق حکم نافذ کیا جائے گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ طلاق دینے والے کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچا ہُوا تھا۔ اس طور پر کہ اُس کی عقل و ہوش میں فتور آگیا تھا، جس کی وجہ سے وہ ایک پاگل شخص کی طرح ہوگیا تھا۔ اور اس بنا پر وہ اپنے کلام کے مفہوم و مدعا کو اچھی طرح سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اور ایک پاگل شخص دونوں برابر ہیں۔

۳۔ تیسری صورت یہ کہ غصہ ان دونوں حالتوں کے درمیان تھا۔ اس طور پر کہ غصہ سخت اور اُس کے مزاج کے خلاف تو تھا مگر وہ پاگل بھی نہیں ہوگیا تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے وہ سمجھ ہی نہ پا رہا ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔[۸]

(۸) مسئلہ : وہ شخص جس کی عقل میں فتور آگیا ہو، یا جو سرسام زدہ (ہذیانی کیفیت میں مبتلا) ہو، یا جو بے ہوش ہو، یا جس کی عقل زائل ہوگئی ہو۔ اس قسم کے لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔[۹]

جائز اور ناجائز طلاق کا بیان

(۹) یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اپنی منکوحہ عورت کو جب چاہا اور جس وقت چاہا طلاق

۷؎ ہدایہ، اولین، ص ۳۳۸

۸؎ کتاب الفقہ، از شیخ عبدالرحمان جزیری، ۴/۲۹۴

۹؎ درمختار برحاشیہ ردالمحتار، ۲/۴۶۲ - ۴۶۳

نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے کچھ قیدیں اور شرطیں ہیں، جن کو ملحوظ نہ رکھنے کی صورت میں طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لے۔ غرض طلاق کے جائز اور ناجائز ہونے کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں جو یہ ہیں: (۱) طلاقِ اَحسن (۲) طلاقِ حَسَن (۳) طلاقِ بِدعی۔ ان میں سے پہلی دو قسمیں جائز اور تیسری قسم ناجائز اور حرام ہے۔ مگر جائز قسموں میں بھی پہلی قسم (طلاقِ احسن)، ہی سب سے بہتر ہے، جس میں مرد کو شرمندہ ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ ان تینوں کی تعریف اور حکم حسبِ ذیل ہے:

۱۔ طلاقِ اَحسن (سب سے اچھی طلاق)

(۱۰) طلاقِ احسن وہ طلاق ہے جس کے مطابق مدخولہ عورت (جس سے صحبت کی جا چکی ہو) کو ایسے طُہر (پاکی کی حالت) میں جس میں اُس نے مباشرت نہ کی ہو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہاں تک کہ اُس کی عدت گزر جائے۔ (مثلاً یوں کہے کہ مَیں نے تجھے ایک طلاق دی۔ یا یوں کہے کہ مَیں نے تجھے ایک طلاقِ رَجعی دی۔ یعنی لوٹانے والی طلاق دی۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے)۔

اس طلاق کا فائدہ یہ ہے چونکہ مرد نے صرف ایک طلاق (رجعی) دی ہے لہٰذا ابھی دو مزید طلاقوں کا اختیار اُس کے پاس محفوظ ہے۔ اس لئے اُس کا نکاح ابھی نہیں ٹوٹا۔ لہٰذا وہ عدت کے اندر جب چاہے رُجوع کرکے (یعنی دی ہوئی طلاق واپس لے کر) مُطلقہ کو پھر سے بیوی بنا سکتا ہے۔ اور اگر عدت کے اندر رُجوع نہیں کیا تو عدت گزر جانے کے بعد بغیر حلالے کے عورت کی رضامندی سے دوبارہ نئے سرے سے اور نئے مہر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

(۱۱) مسئلہ: اگر وہ عدت کے اندر مطلقہ سے رجوع کرلے، یا عدت کے بعد اُسی عورت سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس صورت میں ایک طلاق کا حق اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور اب اُس کے پاس صرف دو طلاقیں باقی رہتی ہیں۔ (مطلب یہ کہ وہ آئندہ صرف دو ہی طلاقیں استعمال کر سکتا ہے)۔

(۱۲) مسئلہ: اگر آئندہ پھر کسی وجہ سے اُسی عورت کو پھر دوبارہ ایک طلاق دے دے تو اس صورت میں دو طلاقوں کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اُس کے پاس صرف ایک ہی طلاق بچی

رہتی ہے۔ لہٰذا زمانۂ مستقبل میں خدانخواستہ اُس عورت کو پھر کسی وجہ سے تیسری بار ایک طلاق دے دے تو اب چونکہ تین کا عدد پورا ہو چکا ہے اس لئے عورت اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی اُس پر "طلاقِ مُغلّظہ" (سخت طلاق) واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ بغیر حلالے کے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہیں رہتی۔[۱۰]

(۱۳) مسئلہ: حلالے کے بعد عورت جب پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس صورت میں اُسے تینوں طلاقوں کا حق نئے سرے سے حاصل ہو جاتا ہے۔[۱۱]

۲۔ طلاقِ حسن (اچھی طلاق)

(۱۴) مدخولہ عورت (جس سے مباشرت کی جا چکی ہو) کو تین الگ الگ طُہروں میں ہم بستری کئے بغیر ایک ایک طلاق دینا۔ (مثلاً پہلے طُہر میں یوں کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی۔ دوسرے طُہر میں یوں کہے کہ مَیں نے تجھے دوسری طلاق دی۔ اور تیسرے طُہر میں یوں کہے کہ میں نے تجھے تیسری طلاق دی۔ لیکن اگر وہ اس طرح ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد عورت سے ہم بستری کرلے تو رجعت ثابت ہو جائے گی۔ گویا کہ اُس نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا ہے۔ اس کی تفصیل رجعت کے بیان میں آئے گی۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد عورت سے ہم بستری کرنا اگرچہ وہ عدت ہی کے دوران ہو بالکل حرام ہے۔ کیونکہ تین کا عدد پورا ہو جانے کے بعد وہ بیوی نہیں رہی)۔

غرض اس طرح طلاق دینا (یعنی تین طہروں میں ایک ایک کرکے) جائز تو ہے مگر اس کا نقصان یہ ہے کہ تین کا عدد پورا ہو جانے کے بعد عورت بائنۂ کُبریٰ (بڑی جدائی والی) بن جاتی ہے۔ یعنی طلاقِ مُغلّظہ واقع ہو جاتی ہے، جس کی تلافی حلالے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو صرف ایک طلاق (یعنی طلاقِ احسن) دے کر چھوڑ دے، جس میں بہت سارے فائدے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔

---

[۱۰] یہ مسائل مختلف کتبِ فقہ (ہدایہ، بدائع الصنائع اور کتاب الفقہ وغیرہ) سے ماخوذ ہیں، اور سہولت کی غرض سے انہیں اپنے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

[۱۱] ہدایہ، آدٰلین، ۳۸۰

(۱۵) **مسئلہ :** طلاقِ حسن میں مرد ایک یا دو طلاقیں دے چکنے کے بعد بھی عدت کے اندر رُجوع کرسکتا ہے۔ مگر عدت گزر جانے یا تین کا عدد پورا ہوجانے کی صورت میں رُجوع نہیں کرسکتا۔

(۱۶) **مسئلہ :** دو طلاقیں دینے کے بعد اگر تیسری طلاق دینے سے پہلے عدت گزر جائے تو اس صورت میں بغیر حلالے کے دوبارہ نئے سرے سے نئے مہر کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت "بائنہ صُغریٰ" (چھوٹی جُدائی والی) کے حکم میں رہتی ہے۔ مگر اس کے بعد مرد کو صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی رہتا ہے۔ کیونکہ دو طلاقیں پہلے ہی اُس کے ہاتھ سے نکل چکی ہیں[12]

(۱۷) **نوٹ :** طلاقِ احسن اور طلاقِ حسن دونوں کو "طلاقِ سُنت" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مختلف حدیثوں سے دونوں طرح طلاق دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مگر طلاقِ احسن ہی سب سے اچھی طلاق ہے۔

۳۔ طلاقِ بدعی (غیر مسنون طلاق)

(۱۸) طلاقِ بدعی کا مطلب ہے خلافِ سنت۔ اور اس کی چار صورتیں ہیں جو یہ ہیں :

۱۔ مدخولہ عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دینا۔

۲۔ یا اُسے ایسے طُہر میں طلاق دینا جس میں اُس سے مباشرت کرچکا ہو۔

۳۔ یا بیک لفظ تین طلاق دینا۔

۴۔ یا ایک ہی طُہر میں الگ الگ تین طلاقیں دینا۔

ان سب صورتوں میں طلاق پڑجاتی ہے۔ اگر ایک دی ہے تو ایک، دو دی ہیں تو دو، اور اگر تین دی ہیں تو تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں۔ مگر ایسا کرنا باعثِ گناہ اور حرام ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے[13]

---

[12] یہ مسائل مختلف کتب فقہ (ہدایہ، بدائع الصنائع اور کتاب الفقہ وغیرہ) سے اپنے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔

[13] ماخوذ از ہدایہ اولین ص ۳۲۵، بدائع الصنائع ۳/۹۳-۹۴، مطبوعہ کراچی۔ اس موضوع پر قرآن اور حدیث کے بعض دلائل اگلے ابواب میں مذکور ہیں۔

(۱۹) اس طرح طلاق دینے کی وجہ سے نہ صرف عورت کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ معاشرتی و تمدنی اعتبار سے بھی یہ فعل باعثِ فساد ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے (بیک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں) نہ صرف مُصالحت کا دروازہ بند ہوکر ایک خاندان ٹوٹ جاتا ہے، بلکہ میاں بیوی کے رشتہ داروں میں بھی باہمی عداوت اور دشمنی ہمیشہ کے لئے پیدا ہوجاتی ہے، جو پُشتوں تک چلتی رہتی ہے۔ اسلام چونکہ دنیا میں امن قائم کرنے اور جھگڑے فسادات مٹانے کے لئے آیا ہے، اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کام جلد بازی میں کرکے اس قسم کی معاشرتی خرابیوں کو بڑھاوا دیا جائے۔ لہٰذا وہ قدم قدم پر تحمّل، بُردباری اور دانشمندی سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں اُس نے "طلاقِ احسن" کا جو طریقہ تجویز کیا ہے وہ اس سلسلے میں ایک بہترین فارمولا ہے، جس سے نہ صرف میاں بیوی کو اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کرکے اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملتا ہے بلکہ طرفین کے رشتہ داروں کو بھی صُلح وصفائی اور بیچ بچاؤ کرکے ایک خاندان کو ٹوٹنے سے بچانے اور ضرر کو دُور کرنے کا بھی کافی موقع ملتا ہے۔ اور اس قسم کے اصلاحی قانون کا مالک آج رُوئے زمین پر صرف اسلام ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ خود مسلمان اپنی شریعت پر صحیح طریقے سے عمل کریں۔ اور خُدا کا خوف کرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے بچیں۔ اسلامی قانون پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی صورت میں مسلمان دنیوی خرابیوں کے علاوہ آخرت کی پکڑ سے بھی بچ سکتے ہیں۔ اس طرح اسلامی قانون پر چلنے میں دونوں جہانوں میں فائدہ ہے۔

(۲۰) **مسئلہ :** اگر کسی نے مدخولہ عورت کو حیض کی حالت میں یا ایسے طُہر میں جس میں وہ بیوی سے ہم بستری کرچکا ہے، ایک طلاق دی ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً اس سے رُجوع کرلے اور دوبارہ حیض آنے کے بعد پھر پاکی کی حالت میں بغیر جماع کئے ایک طلاق دے۔ (اگر طلاق دینا ضروری ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران اس کی رائے بدل جائے اور وہ سرے سے طلاق دینا ہی پسند نہ کرے)۔ خلاصہ یہ کہ "طلاقِ بدعی" کو واپس لے کر (جب کہ وہ ایک یا دو ہو) از سرِ نو طلاق دینا ضروری ہے۔

نوٹ : طلاقِ بدعی میں مالکی اور حنفی مسلک کے مطابق رُجوع کرنا یعنی طلاق واپس لینا فرض ہے[14]

(۲۱) **مسئلہ :** حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق شمار ہوتی ہے[15] اسی طرح طلاقِ بدعی کی

---

[14] کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ، ۴/۳۰۹

[15] ہدایہ اوّلین، ص ۳۳۷، مطبوعہ مجتبائی دہلی

دوسری قسم بھی شمار ہوتی ہے، لغو نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ ایسی طلاق واپس لینے (رجعت کرلینے) کی صورت میں بھی وہ اُس کے کھاتے میں جمع ہو جائے گی۔ یعنی اگر اُس نے ایک طلاق دی تھی تو ایک طلاق کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر دو دی تھیں تو دو طلاقوں کا حق اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور اگر تین دی ہیں تو پھر رُجوع کا حق ہی نہیں رہے گا۔ (خواہ اس نے یکساتھ دی ہوں یا متفرق طور پر دی ہوں) بلکہ عورت ایسی صورت میں اُس پر حرام (بائنہ کُبریٰ) ہو جائے گی[16] اور ایسی طلاقیں (صرف) شیعوں کے نزدیک واقع نہیں ہوتیں[17]

(۲۲) مسئلہ: غیر مدخولہ عورت کو طُہر ہی کی حالت میں طلاق دینا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اُسے جب چاہے (خواہ وہ طُہر کی حالت میں ہو یا حیض کی حالت میں) طلاق دی جا سکتی ہے[18]

(۲۳) مسئلہ: غیر مدخولہ عورت کو ایک طلاق دینے سے بھی وہ بائن (جُدا) ہو جاتی ہے۔ (یعنی بائنہ صُغریٰ بن جاتی ہے)۔ کیونکہ صُحبت واقع نہ ہونے کی وجہ سے وہ صرف ایک ہی طلاق کا محل رہتی ہے[19]

(۲۴) مسئلہ: غیر مدخولہ عورت کو اگر بیک لفظ تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں پڑ جاتی ہیں[20] (اور وہ بائنہ کُبریٰ بن جاتی ہے)۔

(۲۵) مسئلہ: غیر مدخولہ عورت (جس سے صحبت نہ ہوئی ہو) کو اگر الگ الگ الفاظ میں طلاق دی جائے (مثلاً یوں کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے) تو اس سے صرف ایک ہی طلاق بائن پڑے گی[21] (کیونکہ پہلی طلاق کے تلفّظ کے ساتھ ہی وہ بائن ہو جائے گی۔ دوسری اور تیسری طلاق لغو یا بیکار جائے گی)۔

---

[16] مختلف کتب سے ماخوذ

[17] بدائع الصنائع، از امام کاسانی، ۳/۹۶

[18] ہدایہ اولین، ص ۳۳۶

[19] ماخوذ از ہدایہ، ص ۳۵۱

[20] ایضاً ص ۳۵۱

[21] ایضاً ص ۳۵۱

(۲۶) مسئلہ: غیر مدخولہ عورت کے لئے عدت نہیں ہے۔ بلکہ وہ طلاق کے فوراً بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ میاں بیوی کے مخصوص تعلقات قائم نہ ہونے کی وجہ سے اُس پر عدت عائد کرنا ایک بیکار سی بات ہے۔ عدت صرف صحبت کی وجہ سے عائد ہوتی ہے، تاکہ اس دوران اُس کے رحم کی صفائی کا پتہ چل جائے اور نطفہ مخلوط ہونے کی وجہ سے نسب میں کسی قسم کی گڑبڑ ہونے نہ پائے۔ لہٰذا یہ بالکل عقلی بات ہے کہ جب صُحبت ہی نہیں ہُوئی ہے تو عدت بھی نہیں ہے۔

(۲۷) نوٹ: خلافِ سنت طلاق (بدعی) کو ناجائز قرار دینے میں شریعت کی بہت بڑی مصلحت ہے۔ کیونکہ اس میں نظرِ ثانی اور اصلاح کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر طلاق دینے والا بعد میں نہ صرف کفِ افسوس ملنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ نفسیاتی اعتبار سے احساسِ کمتری کا شکار رہتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال اُس کے لئے بڑی اذیت ناک اور سوہانِ روح ہوتی ہے۔

طلاقِ صریح اور طلاقِ کنایہ

(۲۸) طلاق کبھی تو صاف صاف الفاظ میں دی جاتی ہے جو "طلاقِ صریح" یعنی واضح طلاق کہلاتی ہے۔ اور کبھی گول مول الفاظ میں دی جاتی ہے جس کو "طلاقِ کنایہ" یعنی غیر واضح طلاق کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان دونوں کا مفہوم اور ان کی دلالت مختلف ہوتی ہے اس لئے ان کا حکم بھی مختلف ہوگا۔ لہٰذا اس موقع پر ان دونوں قسم کی طلاقوں کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

ا۔ طلاقِ صریح (واضح طلاق)

(۲۹) طلاقِ صریح کا مطلب ہے واضح اور صاف الفاظ میں طلاق دینا۔ مثلاً اپنی بیوی سے یوں کہا جائے:

(الف) تجھے طلاق ہے۔

(ب) مَیں نے تجھے طلاق دی۔

(ج) تُو طلاقن ہے۔ (یعنی طلاق والی ہے)۔

(د) تُو مُطلّقہ ہے۔ (یعنی طلاق دی ہوئی عورت ہے)۔

تو ان سب صورتوں میں طلاقِ رَجعی (لوٹانے والی طلاق) پڑے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ طلاق ہی کے لئے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مفہوم پر دلالت نہیں کرتے۔ لہٰذا وہ اپنے معنی و مفہوم میں صاف و صریح ہیں اور ان الفاظ کے استعمال سے نصِ (قرآنی) کے مطابق رجعت ثابت ہوتی ہے۔ اور ان الفاظ میں (بالاجماع) نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کا استعمال غالب طور پر طلاق ہی کے معنی میں ہوتا ہے[۲۲]

(۳۰) یہ مسئلہ (جو اُوپر مذکور ہُوا) مدخولہ عورت کے بارے میں ہے کہ اس سے ایک طلاقِ رجعی پڑتی ہے۔ ورنہ عورت اگر غیر مدخولہ ہے تو پھر وہ ایک ہی طلاق میں بائن (جُدا) ہو جائے گی۔ جیسا کہ اُوپر گزر چکا۔ مگر وہ بائنہ صُغریٰ (چھوٹی جُدائی والی) رہے گی۔

(۳۱) مسئلہ: عورت سے اگر کچھ معاوضہ لے کر طلاق دی جائے (جس کا نام خُلع ہے) تو اس صورت میں مدخولہ عورت بائن ہو جاتی ہے۔ اور مَرد کو رَجعت (رُجوع کرنے) کا حق باقی نہیں رہتا[۲۳] (مگر یہ بھی بائنہ صُغریٰ کے حکم میں رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسی عورت کو صرف نئے نکاح کے ذریعہ پھر سے بیوی بنایا جا سکتا ہے)۔

(۳۲) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی عورت کو "تجھے اس طرح طلاق ہے" کہتے ہُوئے تین انگلیاں دکھائیں تو اس سے تین طلاق پڑ جائے گی۔ اگر ایک دکھائی تو ایک پڑے گی۔ اور اگر دو دکھائیں تو دو پڑ جائیں گی[۲۴]

(۳۳) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی عورت سے یوں کہا: "تجھے جُدا ہونے والی طلاق ہے" یا یوں کہا: "تجھے قطعی طلاق ہے" (یعنی رشتہ کاٹنے والی) تو اس صورت میں حنفی مذہب کے مطابق عورت پر طلاق بائن پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ صاف و صریح لفظ ہے مگر اس کے باوجود کچھ وصف کی زیادتی اور

---

۲۲ ہدایہ اولین ص ۳۳۹، بدائع الصنائع ۳/۱۰۱

۲۳ کتاب الفقہ ۴/۳۱۷

۲۴ ہدایہ ص ۳۴۹

شدت بھی پائی جا رہی ہے[۲۵]

نوٹ: اس قسم کی طلاق میں جب تک تین کا عدد پورا نہ ہو جائے، یا تین کی نیت نہ کی جائے، عورت بائنہ صُغریٰ کے حکم میں رہتی ہے۔ یعنی ایسی عورت سے بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تین کا عدد پورا ہو جائے یا تین کی نیت کر لی جائے تو پھر بغیر حلالے کے نکاح درست نہ ہوگا۔

۲۔ طلاقِ کِنایہ (غیر واضح طلاق)

(۳۴) کنایہ سے مراد غیر واضح اور گول مول لفظ ہے۔ یہاں پر اس سے مراد ایسے الفاظ استعمال کرنا ہے، جو ایک سے زیادہ معنی پر دلالت کرنے والے ہوں۔ مثلاً کسی نے اپنی منکوحہ سے یوں کہا: "تُو جُدا ہو چکی ہے" یا "تُو حرام ہے" یا "تُو اپنے میکے چلی جا" وغیرہ۔ تو اس سے طلاق مراد بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی۔ لہٰذا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ محض ان الفاظ کے استعمال سے طلاق نہیں پڑ جاتی بلکہ اس کے لئے نیت یا "دلالتِ حال" کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ ان الفاظ کا استعمال اگر طلاق دینے کی نیت سے کیا ہے تب طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ نہیں ہوگی۔ (بخلاف طلاقِ صریح کے، جس میں نیت ضروری نہیں ہے)۔ لہٰذا اگر کسی نے طلاق کی نیت کے بغیر اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۔ اور اس قسم کے (غیر واضح) الفاظ کے استعمال کی دوسری صورت، جب کہ بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے، دلالتِ حال ہے۔ یعنی یہ الفاظ کسی خاص پس منظر میں استعمال کئے جا رہے ہوں، جس کی بنا پر ان الفاظ کی دلالت قطعیت کے ساتھ طلاق پر ہو رہی ہو۔ جیسے شوہر غصّے کی حالت میں تھا اور اُس وقت یہ الفاظ اپنے مُنہ سے نکالے۔ یا میاں بیوی کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی کہ شوہر نے اس قسم کے الفاظ کہہ دئے۔ تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۳۵) اس بحث کا خلاصہ یہ ہے:

---

۲۵ ہدایہ ص ۳۴۹

۱۔ عام حالات میں غیر واضح الفاظ (الفاظِ کنایہ) کے استعمال میں نیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس کے بغیر طلاق نہیں پڑتی۔

۲۔ غصے کی حالت میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے طلاق پڑجاتی ہے۔ اور اس صورت میں نیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ طلاق کی بات چیت کے وقت بھی اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی بدولت بلا نیت طلاق پڑجاتی ہے۔[۲۶]

(۳۶) غیر واضح الفاظ (کنایات) کی بعض قسمیں یہ ہیں:

۱۔ تُو بائن ہے۔
۲۔ تیری رسی تیرے کاندھے پر ہے۔ یعنی تُو مختار ہے۔
۳۔ تُو حرام ہے۔
۴۔ تُو اپنے میکے چلی جا۔
۵۔ تُو نکاح سے خالی ہے۔
۶۔ تُو نکاح سے بری ہے۔
۷۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔
۸۔ میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا۔
۹۔ میں تجھ سے جُدا ہو گیا۔
۱۰۔ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔
۱۱۔ تُو آزاد ہے۔
۱۲۔ تُو نکل جا، یا تُو چلی جا۔
۱۳۔ تُو اُٹھ جا۔
۱۴۔ تُو شوہروں کو ڈھونڈھ لے۔

(۳۷) ان تمام صورتوں میں ایک طلاق بائن (جُدا ہونے والی) پڑے گی۔ اور ان الفاظ میں اگر تین کی نیت کرلے تو تین پڑجائیں گی[۲۷] (مطلب یہ کہ ایک طلاق بائن پڑنے کی صورت میں عورت بائنہ صُغریٰ بن جائے گی۔ اور جب اُس پر تین طلاق بائن پڑجائیں تو وہ بائنہ کُبریٰ ہوجائے گی۔ اس کی مزید وضاحت اگلے دو مسئلوں سے ہوگی۔)

(۳۸) مسئلہ: جب کسی عورت پر ایک یا دو طلاقِ بائن پڑجائیں تو فوری طور پر نکاح

---

۲۶ ماخوذ از درمختار ۲/۵۰۱-۵۰۲، ہدایہ ۳۵۲، بدائع ۳/۱۰۵-۱۰۷
۲۷ ہدایہ اولین، ص ۳۵۴

ٹوٹ جاتا ہے۔ (بخلاف طلاق رجعی کے جس میں نکاح فوری طور پر نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے)۔ نتیجہ یہ کہ اس قسم کی طلاق میں مرد کو عدت کے اندر رُجوع کرنے کا اختیار نہیں رہتا اور نہ وہ نیا نکاح کئے بغیر مطلقہ عورت سے ہم بستری کرسکتا ہے[۲۸] اور یہ نیا نکاح عدت کے اندر بھی ہوسکتا ہے اور عدت کے بعد بھی۔

(۳۹) مسئلہ: جب کسی عورت پر تین طلاقِ بائن پڑجائیں، خواہ وہ بیک وقت ہوں یا متفرق طور پر، تو وہ (بائنہ کُبریٰ ہونے کی وجہ سے) نکاحِ ثانی ہونے تک (یعنی حلالہ ہونے تک) حرام رہتی ہے۔[۲۹]

(۴۰) نوٹ: تین طلاق خواہ صریح طور پر واقع ہوں یا بائن ہونے کی حیثیت سے، دونوں صورتوں میں حُکم ایک ہی ہے کہ جب تین کا عدد پورا ہوجائے تو اس صورت میں عورت حرام ہوجاتی ہے۔ اور اُس کا حلالہ ہونے تک وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

(۴۱) مسئلہ: جب میاں بیوی کے درمیان طلاق کی بات ہو رہی تھی اور اُس صورت میں شوہر نے اس قسم کے الفاظ ادا کئے، مگر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی۔ تو قاضی اس کی بات کا اعتبار نہیں کرے گا، بلکہ وہ طلاق کا فیصلہ کردے گا۔ ہاں البتہ وہ عنداللہ طلاق نہیں ہوگی۔ مگر قاضی ظاہر کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ نیتوں کا حال صرف اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔[۳۰]

(۴۲) مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا: "تُو مجھ پر حرام ہے"۔ تو اس صورت میں عُرف (رواج) کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ لوگوں کی عادت اس سے طلاقِ بائن دینے کی ہوگئی ہو تو پھر طلاقِ بائن پڑے گی۔ اور اگر طلاقِ رجعی دینے کی ہو تو طلاقِ رجعی ہوگی۔ اور اس میں نیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ گول مول بات نہیں بلکہ بالکل واضح بات ہے۔ لیکن اگر عُرف و رواج میں اس سے کنایہ مراد لیا جاتا ہو تو پھر اس صورت میں نیت ضروری ہوگی۔ لیکن ایک عامی چونکہ طلاقِ بائن اور طلاقِ رجعی میں کوئی فرق نہیں

---

۲۸ ماخوذ از بدائع الصنائع، ۳/۱۸۷
۲۹ ایضاً
۳۰ ماخوذ از ہدایہ اولین ۳۵۴، بدائع الصنائع ۳/۱۰۶-۱۰۷

کرتا، اس لئے اُس کے حق میں طلاقِ بائن ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔[۳۱]

خُلع کا بیان

(۴۳) خُلع کے لفظی معنی اُتارنے کے ہیں۔ جیسے کپڑے اُتارنا یا جُوتا اُتارنا۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں اس سے مراد ملکیتِ نکاح کو ختم کرنا ہے[۳۲] یعنی اس سے وہ طلاق مراد ہے جو عورت کے مطالبے پر کچھ مال کے عوض (یا بغیر عوض کے) دی جائے۔ میاں بیوی کے درمیان اس قسم کی جُدائی کا نام اصطلاح میں اگرچہ "خُلع" ہے مگر وہ اصلاً طلاق ہے۔ کیونکہ جب تک شوہر اس مطالبہ کو قبول کر کے طلاق نہ دے دے وہ خُلع نہیں ہو سکتا۔ اور خُلع طلاقِ بائن شمار ہوگا، کیونکہ عورت نے اس کو گویا کہ مال کے عوض میں خریدا ہے۔ لہٰذا خُلع ہو جانے کی صورت میں مرد کو عدت کے اندر عورت سے رُجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

(۴۴) (غرض) جب میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے اور دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے حُدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں (خود) عورت اگر اپنی جان چھڑانے کی غرض سے خاوند کو کچھ مال دے کر خُلع حاصل کرلے تو قرآنی تصریح (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ : ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت (کچھ) معاوضہ دے کر پیچھا چھڑالے) کے مطابق کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خاوند جب ایسا کرے گا تو خُلع کے ذریعہ ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی۔ اور (مقررہ) مال دینا لازم آئے گا۔[۳۳]

(۴۵) **مسئلہ**: خُلع کچھ مال کے عوض بھی ہو سکتا ہے اور بغیر عوض کے بھی۔ اگر کوئی شخص بغیر عوض کے یوں کہہ دے کہ میں نے تجھے خُلع دے دیا، اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی، مگر مہر ساقط نہیں ہوگا۔[۳۴] (یعنی شوہر کے ذمہ مہر مُؤجل تھا تو وہ بیوی کو ادا کرنا پڑے گا۔ مہرِ مُؤجل وہ مہر ہے جو نکاح کے موقع پر بعد میں ادا کیا جانا طے ہُوا ہو، یعنی جس کی مدت مقرر ہو۔ بخلاف مہرِ مُعجّل کے جو

---

[۳۱] کتاب الفقہ، ج ۴ ص ۳۳۸

[۳۲] درمختار برحاشیہ ردالمحتار ۲/۶۰۴، کتاب الفقہ ۴/۲۸۷

[۳۳] ہدایہ اولین، ص ۳۸۴

[۳۴] بدائع الصنائع، ۳/۱۵۱

فوری طور پر ادا کر دینے والا ہوتا ہے، جب کہ نکاح کے وقت اس کی صراحت کی گئی ہو۔)

(۴۶) **مسئلہ**: اگر خُلع مہر کے عوض میں طے ہُوا اور مہر ابھی ادا نہیں ہوا تھا۔ (مؤجل تھا)، تو اس صورت میں وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مہر بیوی کو ادا کیا جا چکا تھا (مُعجّل تھا) تو اس صورت میں بیوی وہ مہر شوہر کو واپس کر دے گی۔[۳۵]

(۴۷) **مسئلہ**: اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں عورت کی طرف سے معاوضہ لینا مکروہ (ناجائز) ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے (وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ ...... اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو لانا چاہو اور تم ان میں سے کسی ایک کو ایک ڈھیر (مال) بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو)۔ نیز چونکہ مرد نے "ادل بدل" کر کے عورت کو وحشت میں ڈال دیا ہے، لہٰذا وہ عورت کی جانب سے مال لے کر اُس کی وحشت میں مزید اضافہ نہ کرے۔ پھر اگر زیادتی عورت کی جانب سے ہوئی ہو تو اس صورت میں جتنا مال (مہر) وہ دے چکا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ (ناجائز) ہے۔[۳۶]

رَجعت کا بیان

(۴۸) رَجعت کے معنی لغت میں لوٹنے کے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس سے مراد عدت کے اندر مطلقہ عورت کی ملکیتِ نکاح کو بلا عوض باقی رکھنے کے ہیں[۳۷] یعنی مطلقہ کو نئے نکاح کے بغیر پھر سے اپنی عصمت میں لے لینا۔[۳۸]

بغیر عوض کے ملکیتِ نکاح کو باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے چونکہ طلاقِ رجعی میں زوجیت (ملکیتِ نکاح) باقی رہتی ہے اور نکاح نہیں ٹوٹتا۔ (اور اس بنا پر نئے نکاح کی ضرورت نہیں رہتی، جس میں نیا مہر یعنی عوض لازم آتا ہے)۔ اس بنا پر رجعت کے معنی یہ ہُوئے کہ نکاح کی ملکیت کو زائل ہونے سے روکا جائے۔

---

[۳۵] بدائع الصنائع، ۳/۱۵۱

[۳۶] ہدایہ اولین، ص ۳۸۴

[۳۷] ماخوذ از درمختار برحاشیہ ردالمحتار، ۲/۵۷۴

[۳۸] یہ تعریف مالکی مذہب کے مطابق ہے (کتاب الفقہ، ۴/۴۲۹)

(۴۹) **مسئلہ**: رجعت کے لئے ضروری ہے کہ: (۱) مطلقہ عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو، تین طلاق نہ دی گئی ہو۔ (۲) طلاق کسی عوض کے بدلے میں نہ ہو، یعنی وہ خُلع نہ ہو۔ (۳) طلاق بطور کنایہ نہ دی گئی، جو کہ بائن ہوتی ہے۔ (۴) عورت غیر مدخولہ نہ ہو۔ (کیونکہ غیر مدخولہ عورت پر سرے سے عدت ہی نہیں ہے)۔ لہٰذا ان چاروں صورتوں میں رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔[۳۹]

(۵۰) **مسئلہ**: جب کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی کو ایک یا دو طلاقِ رجعی دے تو اُسے عدت کے اندر رجعت کر لینے (مطلقہ کو لوٹا لینے) کا اختیار باقی رہتا ہے، خواہ عورت رجعت کے لئے راضی ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ قرآنی حکم (فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ: عدت کے اندر اُنہیں بھلے طریقے سے روک لو) سے ظاہر ہوتا ہے۔[۴۰]

(۵۱) **مسئلہ**: حنفی مذہب کے مطابق رجعت (رُجوع کرنے) کے دو طریقے ہیں: (۱) یا تو صراحت کے ساتھ بیوی سے یوں کہا جائے کہ "میں نے تجھ سے رجعت کر لی"۔ یا گواہوں کو مخاطب کر کے کہے کہ "میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا" یا "میں نے اپنی بیوی کو دی ہُوئی طلاق واپس لے لی" وغیرہ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مُنہ سے کچھ بولے بغیر عورت سے ہم بستری کر لی، یا اُس کا بوسہ لے لیا، یا اُس کو شہوت کے ساتھ چھو لیا وغیرہ۔[۴۱]

(۵۲) **مسئلہ**: رجعت کے وقت دو گواہوں کو مقرر کر لینا مستحب ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی کرے تب بھی رجعت صحیح ہے۔[۴۲]

(۵۳) **مسئلہ**: عدت گزر جانے کے بعد اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ میں نے عدت کے اندر تجھ سے رُجوع کر لیا تھا اور عورت بھی اس کی تصدیق کرے تب تو بات صحیح ہوگی۔ ورنہ اگر عورت انکار کر دے تو پھر عورت کا قول معتبر ہوگا۔[۴۳]

[۳۹] کتاب الفقہ، ۴/۳۳۲
[۴۰] ہدایہ (اولین)، ص ۳۷۴
[۴۱] ایضاً، ص ۳۷۵
[۴۲] ایضاً
[۴۳] ایضاً

(۵۴) **مسئلہ**: جب مرد عورت سے یوں کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی (یعنی اپنی طلاق واپس لے لی) تو اس کے جواب میں بیوی اگر یہ کہے کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے رجعت صحیح نہیں ہوگی۔[۴۴] ہاں اگر عورت کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد یہ کہے کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے تو اس صورت میں عورت کی بات کا اعتبار نہ ہوگا (اور رجعت صحیح ہوگی)۔[۴۵]

(۵۵) **مسئلہ**: جب عورت کو تیسرے حیض میں دس دن پر خون آنا بند ہو جائے تو اس صورت میں رجعت کا حق باقی نہیں رہتا، اگرچہ عورت نے ابھی غسل نہ کیا ہو (کیونکہ اس صورت میں عدت پوری طرح ختم ہو چکی ہے)۔ ورنہ خون آنا اگر دس دن سے پہلے بند ہُوا ہو تو اس صورت میں رجعت ابھی باقی سمجھی جائے گی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے یا اس پر ایک نماز کا کامل وقت نہ گزر جائے۔ کیونکہ حیض (عموماً) دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب یہ مدت پوری ہو جائے تو عورت کے حیض سے باہر نکلتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ مدت دس دن سے کم ہونے کی صورت میں خون پھر سے آنے کا احتمال رہتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ضروری ہے کہ خون کے منقطع ہونے کا یقین کر لیا جائے۔[۴۶]

(۵۶) **مسئلہ**: اگر طلاق بائن ہو مگر تین سے کم ہو تو اس صورت میں مرد اُسی عورت سے (جو کہ بائنہ صُغریٰ ہے) عدت کے اندر یا عدت گزر جانے کے بعد بھی دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر تین طلاق ہو چکی ہے (خواہ وہ بیک لفظ ہو یا متفرق طور پر) تو اس صورت میں وہ عورت (جو کہ بائنہ کُبریٰ ہو چکی ہے) اُس کے لئے اُس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح صحیح کر کے صحبت نہ کر لے۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر بھی اُسے یا تو (از خود) طلاق دے دے یا مر جائے۔ اور اس مسئلے میں اصل دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[۴۷] اگر وہ

[۴۴] ہدایہ (اولین)، ص ۳۷۵، نیز بدائع الصنائع، ۳/۱۸۵
[۴۵] بدائع الصنائع، ۳/۱۸۶
[۴۶] ہدایہ اولین ص ۳۷۶، بدائع الصنائع ۳/۱۸۳
[۴۷] ہدایہ، ص ۳۷۹

(تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت اُس کے لئے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح (ہم بستری) نہ کرلے۔ (بقرہ : ۲۳۰)

(۵۷) **مسئلہ** : جب کوئی عورت طلاق حاصل کرنے کے بعد عدّت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیتی ہے، پھر وہ (کسی طرح دوسرے شوہر سے بھی طلاق حاصل کرکے یا اُس کی موت کے بعد عدّت گُزار کر) دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آجاتی ہے تو اس صورت میں پہلا شوہر پھر سے تین طلاقوں کا مالک بن جاتا ہے، خواہ اس نے اس سے پہلے (اُس عورت کو) تین طلاقیں دی ہوں یا اس سے کم[48]

عِدّت کا بیان

(۵۸) عِدّت کے لفظی معنی گِنتی کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد عورت کا ایک مقررہ مدّت تک انتظار کرنا ہے، جو شوہر کی جانب سے نکاح ختم ہونے کے بعد (رحم کی صفائی کے لئے) اُس پر لازم آتا ہے[49] اور مختصر طور پر اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ "نکاح کے بچے کھچے آثار ختم ہونے کی مُدّت کا نام عدت ہے"[50] چونکہ اس میں دن گنے جاتے ہیں اس لئے اس کا نام "عِدّت" پڑ گیا۔ اور عورت پر یہ عدت تین صورتوں میں واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے :

۱۔ وہ مُطلّقہ عورت جس سے صحبت کی جا چکی ہو (خواہ وہ رجعیہ ہو یا بائنہ)۔

۲۔ وہ مُطلّقہ عورت جس سے صحبت تو نہیں ہوئی تھی مگر نکاح کے بعد عورت اور مرد کے درمیان "خلوتِ صحیحہ" واقع ہوگئی تھی۔ یعنی دونوں تنہائی میں مل چکے تھے۔ (اس سے بحث نہیں ہے کہ صحبت ہوئی تھی کہ نہیں۔ بلکہ صرف میاں بیوی کی تنہائی کی ملاقات ہی سے عدّت ضروری ہوجاتی ہے اور یہ بات بطور احتیاط کے ہے، تاکہ بعد میں نسب کے خلط ملط ہونے کا کوئی شُبہ ہی باقی نہ رہے۔)

۳۔ وہ عورت جو بیوہ ہوگئی ہو۔ یعنی جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو اُس پر بھی عدّت ضروری

---

[48] ہدایہ ، ص ۳۸۰

[49] کتاب الفقہ ، ۵۱۴/۴

[50] بدائع الصنائع ، ۱۹۰/۳

ہے۔ مگر مُطلّقہ کی عدّت اور بیوہ کی عدّت میں فرق ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے مسائل بھی الگ الگ ہیں۔

(۵۹) **مسئلہ** : جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاقِ بائن یا طلاقِ رجعی دے دے اور وہ حیض والی ہو تو از رُوئے قرآن اُس کی عدّت تین حیض ہے۔ (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ[51]: اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں — بقرہ : ۲۲۸)

(۶۰) **مسئلہ** : نابالغ لڑکی یا عمر رسیدہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت از رُوئے قرآن تین ماہ ہے : (وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ[52]: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں اُن کے بارے میں اگر تمہیں شُبہ ہو تو اُن کی عدّت تین ماہ ہے — طلاق : ۴)

(۶۱) **مسئلہ** : بیوہ عورت کی عدت از رُوئے قرآن چار ماہ دس دن ہے : (وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا[53]: اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور (اپنے پیچھے) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں گی — بقرہ : ۲۳۴)

(۶۲) **مسئلہ** : لیکن بیوہ اگر حاملہ ہے تو اُس کی عدّت (بجائے چار ماہ دس دن کے) وضع حمل ہے ....

جیسا کہ ارشادِ باری ہے : (وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[54]: اور حمل والی عورتوں کی عدّت اُن کا وضعِ حمل ہے — طلاق : ۴)

(۶۳) **مسئلہ** : مُطلّقہ عورت اگر آئسہ ہو (یعنی جس کو حیض نہ آتا ہو) اُس نے اگر مہینوں کی گنتی کے اعتبار سے عدّت شروع کی، مگر بعد میں اُسے خون آنے لگا، تو اب اُس کی گُزری ہوئی عدّت فاسد ہوگئی۔ اب اُسے حیض کے اعتبار سے نئی عدّت گزارنی ہوگی[55]

---

[51] ہدایہ (اولین) ص ۴۰۲ ، بدائع الصنائع ۱۹۳/۳

[52] و [53] و [54] ایضاً ص ۴۰۳ ، بدائع الصنائع ۱۹۵/۳-۱۹۶

[55] ایضاً ص ۴۰۴ ، بدائع الصنائع ۲۰۰/۳

(۶۴) **مسئلہ** : اگر کسی عورت کے دو حیض گزرے تھے کہ اتنے میں وہ "آئسہ" ہوگئی تو اب وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی[56] یعنی نئے سرے سے تین ماہ پورے کرے گی۔

(۶۵) **مسئلہ** : عدت والی عورت جب یہ کہے کہ میری عدت پوری ہوگئی ہے مگر شوہر اُس کو جھٹلائے تو اس صورت میں حلف کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا۔[57]

(۶۶) **مسئلہ** : عدت والی عورت پر واجب ہے کہ وہ (از روئے قرآن : طلاق ۱) اُسی گھر میں اپنی عدت گزارے جو (طلاق کے باعث) جدائی کے وقت یا شوہر کے مرنے کے وقت اُس کے رہنے کا گھر کہلاتا تھا۔[58]

(۶۷) **مسئلہ** : کسی اجنبی شخص کو عدت کی حالت میں مطلّقہ عورت کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے اور ایسی عورت سے نکاح کرنا ناجائز (حرام) ہے۔ ہاں البتہ خود شوہر نے اگر اپنی عورت کو طلاقِ بائن دی تھی تو اس صورت میں وہ خود عدت کے اندر اپنی مطلّقہ سے نیا نکاح کر سکتا ہے[59] کیونکہ طلاق بائن ہونے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا تھا۔

(۶۸) **مسئلہ** : جس عورت کو اپنے شوہر سے قطعی جُدائی (طلاقِ بائن یا خُلع کے ذریعہ) مل چکی ہو، یا جو بیوہ ہو چکی ہو، اُسے سوگ منانا واجب ہے، جب کہ عورت بالغ اور مُسلمان ہو۔[60]

(۶۹) **مسئلہ** : مطلّقہ عورت خواہ وہ رجعیہ ہو یا بائنہ، یا تین طلاق والی، عدت کے دوران گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، نہ دن میں اور نہ رات میں۔ ہاں بیوہ عورت عدت کی حالت میں دن میں ضرورت کے تحت باہر نکل سکتی ہے مگر رات اُسے اپنے ہی مقام پر گزارنی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلّقہ عورت کو شوہر

۵۶ ہدایہ، ۴۰۴ ، بدائع ۳/۲۰۰
۵۷ ہدایہ، ۴۰۶
۵۸ ایضاً، ۴۰۸۔۴۰۹
۵۹ بدائع الصنائع، ۳/۲۰۴
۶۰ ہدایہ (اوّلین) ص ۴۰۷

کے گھر میں روکنا حمل ٹھہرنے کی صورت میں اثباتِ نسب کی غرض سے ہے۔ لہٰذا ایسی عورت جب باہر نکلے گی تو شوہر کو شُبہ ہو سکتا ہے اور حمل ثابت ہونے کی صورت میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے جو جھگڑے کا باعث بن سکتا ہے۔ اور بیوہ عورت کو دن میں باہر نکلنے کا جواز اس بنا پر ہے کیونکہ شوہر کے مر جانے کی وجہ سے اُس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور وہ اپنے معاشی مسئلے کو حل کرنے کی خود ذمہ دار ہے (جب کہ اُس کا کوئی قریبی عزیز موجود نہ ہو)۔ لہٰذا اگر وہ تنگدست ہے تو اس صورت میں اپنی روٹی کی تلاش میں صرف دن کے وقت باہر نکل سکتی ہے۔[61]

(۷۰) **نوٹ** : بیوہ کا نفقہ اس وجہ سے ساقط ہوتا ہے کیونکہ اُسے شوہر کی میراث میں حصہ ملتا ہے۔ لہٰذا اگر شوہر نے مال و متاع اور جائیداد چھوڑی ہے تو شریعت نے اُس کا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اُسے ملے گا۔ اور اس میں سے وہ اپنی عدت کے دوران خرچ کرے گی اور اگر کُچھ بھی نہیں چھوڑا ہے تو اُس کا نفقہ اُس کے دیگر قریبی رشتہ داروں پر عائد ہوگا۔ اور اگر رشتہ دار بھی نہ ہوں تو تب وہ اپنے معاشی مسئلے کو حل کرنے کی غرض سے دن کے وقت باہر نکل سکتی ہے۔ مگر چونکہ مطلّقہ عورت کا نفقہ ہر حالت میں شوہر پر واجب رہتا ہے اس لئے مطلّقہ کو عدت کے دوران اپنے مقام سے باہر نکلنا سخت منع اور حرام ہے۔ کیونکہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی کھُلی ہوئی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے کہ نہ تو شوہر عدت کے دوران اپنی مطلّقہ عورتوں کو گھروں سے نکالیں اور نہ خود مطلّقہ عورتیں ہی اپنے گھروں سے نکلیں۔ (یعنی اُن کے شوہروں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جو اُن کی مستقل رہائش گاہیں کہلاتی تھیں اور جہاں پر ان کو طلاق دی گئی تھی) :

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ :

اور تم مطلّقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے (جن میں وہ رہتی آئی ہیں) مت نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں ہاں جب کہ وہ کُھلم کُھلا کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں (اُس وقت اُن کا اخراج جائز ہوگا)۔ یہ اللہ کی حُدود ہیں۔ اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے حق میں ظالم ہوگا۔ (طلاق : ۱)

اس آیتِ کریمہ کی مزید تشریح و تفسیر اگلے باب میں آئے گی۔ لہٰذا اس مسئلے کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا

۶۱ ماخوذ از بدائع الصنائع ۳/۲۰۵ ، نیز ہدایہ اولین ۴۰۸

چاہئے۔ کیونکہ آج کل مسلمان طلاق کے باب میں سخت بے اعتدالی اور خدا کی کھلی ہوئی نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ اول تو بیک وقت تین طلاق دینا ہی سخت گناہ کا کام ہے اور پھر اس کے بعد دوسرا بدترین گناہ اور شرعی جرم یہ ہے کہ ایسے لوگ مطلقہ عورتوں کو طلاق کے فوراً بعد کان پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی جاہلانہ حرکت اور سنگین جرم ہے جس کا تدارک ہونا چاہئے۔

۲۰ر ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ

طلاق اور عدّت کے مسائل

قرآن مجید کی روشنی میں

قرآنی احکام میں اجمال اور اس کی حکمت

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن مجید ایک حد درجہ مختصر اور بلیغ کلام ہے، جس میں تمدن و معاشرت کے سارے اُصول و احکام مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں چند ضروری اور بنیادی نکات کا بیان موجود ہے، جو شریعت و قانون کے اساسی تصورات اور ربّانی حکمت و فلسفے کی تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے قرآنی دفعات CLAUSES کی حیثیت ایک دستورِ اساسی کی سی ہے، جس کی تشریح و تفصیل حدیثِ رسولؐ میں کی گئی ہے۔ اور ان احکام و مسائل کی مزید تنقیح و توضیح فقہائے اسلام نے شریعت کے تفصیلی دلائل کے ساتھ باب وار بیان کی ہے۔ اور اس طریقۂ کار میں بہت بڑی حکمت و دانش مندی کا مظاہرہ دکھائی دیتا ہے، جس کی وجہ سے اسلامی فقہ و قانون ISLAMIC LAW دنیا کے تمام قوانین و شرائع میں ممتاز نظر آتا ہے۔ کیونکہ عقلی و استدلالی حیثیت سے اس میں جس دقتِ نظر اور دقیقہ سنجی کا ثبوت دیا گیا ہے وہ انسانی عقل کو ہر دور میں صیقل کرنے والی اور اس کی دانش مندی کو مہمیز لگانے والی ہے۔ اور اس سے زیادہ کا تصوّر حدِ بشریت سے باہر ہے۔

غرض قرآنِ حکیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابدی آیات میں طلاق، خُلع اور عدّت کے سلسلے میں بعض بنیادی مسائل کی توضیح بطورِ مثال مذکور ہے، جن میں حد درجہ ابہام ہے۔ (اور یہی حال دیگر تمام احکام و مسائل کا بھی ہے)۔ اور یہ تشریعی (قانونی) اُمور کی اکثر و بیشتر خصوصیت ہے۔ اور اس ابہام و اجمال میں حکمت یہ ہے کہ رسول اپنے قول و عمل کے ذریعہ ان کی تفسیر کرے۔ اس اعتبار سے قرآن کی حیثیت ایک دستوری متن کی سی ہے اور سنّتِ رسول کی حیثیت اس کی شرح و تفسیر کی سی۔ اور یہ دونوں چیزیں دین میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی تعمیل ہر دور والوں کے لئے فرض و واجب ہے۔

نیز قرآنی احکام میں حد درجہ اجمال وابہام کی ایک بہت بڑی حکمت ومصلحت یہ بھی ہے کہ وہ قیامت تک ہر دور کی قانون سازی کے لئے صالح بنیاد کی حیثیت رکھنے والے ہوں اور ان کا اساسی مفہوم کسی بھی دور میں بدلنے نہ پائے، خواہ زمانہ قانونی وفقہی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آیات واحکام انتہائی لچکدار نظر آتے ہیں اور ان سے ہر دور کے تقاضے کے مطابق نئے نئے مسئلوں کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ چیز قرآن مجید کی ابدیت اور اُس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیلِ ناطق ہے، جو کسی انسانی کلام میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی۔ اور یہ امتیازی خصوصیت آج دنیا کے موجودہ مذہبی صحیفوں میں سوائے قرآنِ مجید کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اور اس اعتبار سے قرآن مجید دنیا کا سب سے زیادہ انوکھا اور ممتاز ترین صحیفہ ہے۔

قرآن سے جزئی مسائل کا استنباط

اس وقت طلاق اور عدت کے احکام ومسائل سے متعلق جو قرآنی آیات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں اُن کے ملاحظہ سے دو واضح حقیقتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ پہلی حقیقت یہ کہ ان آیات میں اجمال ہونے کے باوجود حیرت انگیز طور پر جامعیت نظر آتی ہے۔ یعنی طلاق اور عدت سے متعلق کوئی بھی اہم قانونی نکتہ قرآن کی نظر سے اُوجھل ہونے نہیں پایا ہے جو یقیناً خدائی علم وحکمت کا مظہر ہے۔ بلکہ ان مختصر آیات کے ذریعہ اس باب کا ایک پورا نقشہ وخاکہ متعدد قانونی نکتوں کے ساتھ سامنے آجاتا ہے جو اساسی اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ اور ان کی حیثیت کُلیّات کی سی ہے، جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے بے شمار جزئیات کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کی تفصیل میں دفتروں کے دفتر سیاہ کئے جاسکتے ہیں۔ اور اس کی ایک واضح مثال ایک اندلسی عالم ابو عبداللہ محمد انصاری قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی لکھی ہوئی تفسیر ہے، جو امام قرطبی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ان کی تفسیر "الجامع لأحکام القرآن" بیس جلدوں میں ہے جو احکام قرآن کے بارے میں بہت مشہور ومقبول ہے۔ اور یہ زیادہ تر "تفسیرِ قرطبی" کے نام سے جانی جاتی ہے، جو فقہائے مفسرین کے اقوال، فقہی مکاتبِ فکر، اُن کے طرزِ استنباط اور اُن کے دلائل کو سمجھنے کے بارے میں ایک مستند اور بے نظیر چیز ہے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب میں قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر میں زیادہ تر استفادہ اسی سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح احکام قرآن کے باب میں امام رازی کی تحریر کردہ تفسیرِ کبیر میں بھی مختلف فقہی مسلکوں اور اُن کے دلائل کی تفصیلات سلجھے ہوئے انداز میں مذکور ہیں۔ زیر نظر بحث میں

ان دونوں تفسیروں سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے حوالے دئے گئے ہیں، جس طرح کہ دیگر تفسیروں سے بھی استفادہ کرتے ہوئے ان کے حوالے دئے گئے ہیں۔

اسلام عورت کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے

اور ان احکام ومسائل کے ملاحظہ سے دوسری سب سے بڑی حقیقت جو واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ چنانچہ دُنیا کے دیگر مذاہب کے غیر منصفانہ رویہ کے برعکس وہ اس کمزور اور مظلوم ہستی کی قدم قدم پر دستگیری اور اشک شوئی کرتا ہے۔ اور اس کے سماجی مرتبے کو بلند کرتے ہوئے نہایت درجہ باوقار طور پر وہ تمام انسانی حقوق عطا کرتا ہے جن کو دیگر مذاہب نے پوری طرح نظرانداز کردیا ہے۔ اسلام نے اگرچہ مرد کی برتری کو فطری اعتبار سے ضرور تسلیم کیا ہے، مگر وہ اس کے باوجود عورت کے احترام اور اُس کی عزتِ نفس میں کسی قسم کی کمی ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ جہاں جہاں بھی اُس کے حقوق پامال ہونے کا خدشہ ہو وہاں پر وہ پوری فراخ دِلی کے ساتھ عورت کے حقوق کی رعایت کرتا ہے۔

چنانچہ طلاق اور عدت ہی کے مسائل میں دیکھ لیجئے کہ طلاق کا اختیار عقلی وفطری اعتبار سے صرف مرد کو دینے کے باوجود عورت پر کسی قسم کے ظلم یا زیادتی کو روا نہیں رکھا۔ بلکہ خود اُسے بھی خُلع حاصل کرنے کا حق دیا ہے، جب کہ مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو رہی ہو۔ نیز اس کے علاوہ عورت کو اور بھی بہت سی رعایتیں دی ہیں اور مردوں کو تاکید ہے کہ وہ مُطلقہ عورتوں تک سے بہتر سلوک اور شرافت کا مظاہرہ کریں اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ بہرحال اسلام مَردوں کو عورتوں کے ساتھ نرمی اور مروّت کا برتاؤ کرنے کی تاکید کرتا ہے اور انہیں دُھتکارنے یا اُن کے ساتھ سختی کرنے سے منع کرتا ہے۔

طلاق کی وجہ سے جب میاں بیوی کے تعلقات انتہائی کشیدہ رہتے ہیں، تو ایسے موقعوں پر اسلام نے عورتوں کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ مردوں ہی کو حُسنِ اخلاق اور شرافت کے ساتھ پیش آنے پر اُبھارا ہے۔ اور قرآن میں جگہ جگہ خطاب بھی اس سلسلے میں مردوں ہی سے کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت اپنی فطری وجسمانی کمزوری کی بنا پر ہر حال میں قابلِ معافی ہے۔ وہ دھتکارے جانے کے لئے نہیں بلکہ پیار و

محبت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگرچہ قصور عورت ہی کی طرف سے ہو تب بھی وہ رعایت کی مستحق ہے۔ کیونکہ وہ انسانی تمدن و معاشرت کا مرکز و محور ہے۔ مرد کا سکونِ قلب اُسی کی بدولت اور باغِ انسانی کی زینت اُسی کے دم سے ہے۔ لہٰذا وہ ہر حال میں قابلِ معافی اور رعایتوں کی مُستحق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام طلاق اور عِدّت کے مواقع پر جگہ جگہ اس کمزور ہستی کو رعایتوں پر رعایتیں دیتا نظر آتا ہے۔ اور اس پر کسی قسم کے ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم یا زیادتی کو روا نہیں رکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قرآنِ مجید کی ان تاکیدوں کو ملحوظ رکھتے ہُوئے اپنی عورتوں کا پورا پورا احترام کریں اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کریں، اگرچہ موقع طلاق ہی کا کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسے موقعوں پر انہیں شرافت و اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اُن کی مردانگی اور حُسنِ اخلاق کے امتحان کا موقع ہے۔ بلکہ زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر بھی مردوں کو فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے عورتوں کو کچھ دے دلا کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنا چاہیئے۔

۱۔ طلاق اور خُلع کے احکام و مسائل

اس تمہید کے بعد اب طلاق و خُلع اور عدت کے بارے میں قرآنِ مجید میں جو احکام و مسائل مذکور ہیں ان کی مُستند کُتب تفاسیر کی روشنی میں مختصر شرح و تفسیر کی جاتی ہے۔ اور اس سلسلے میں قرآن مجید کے چھ (۶) مقامات کا انتخاب کیا گیا ہے، جن کو نمبر وار بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں ہر مسئلے کو ایک الگ عنوان دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ مسائل اچھی طرح عوام کے ذہن نشین ہو جائیں۔

(۱) اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۲۹) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ

يَّعْلَمُوْنَ (۲۳۰) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۖ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۳۱) وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۳۲)

(بقرہ : ۲۲۹-۲۳۲)

ترجمہ : طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح (مُطلقہ عورت کو) روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہُوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مُستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صُورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان اس طرح معاملہ ہو جانے میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی (خُلع) حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدّوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔ (۲۲۹) پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے بیوی کو تیسری بار) طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اُس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ اُس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے نہ ہو جائے۔ پھر وہ (دوسرا شخص) اُس عورت کو طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے تو اُن کے لئے پھر سے رُجوع کر لینے (دوبارہ نکاح کر لینے) میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے واضح کرتا ہے۔ (۲۳۰) اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو اس صورت میں یا تو بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کی غرض سے انہیں روکے نہ رکھو۔ اور جو کوئی

ایسا کرے گا تو وہ درحقیقت اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات و احکام کو کھیل نہ بناؤ۔ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے کیسی (عظیم) نعمت سے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اُس نے تم پر اُتاری ہے اس کا احترام ملحوظ رکھو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو (اپنے بندوں سے متعلق) ہر بات کی خبر ہے۔ (۲۳۱) جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر اُن کے درمیان رُکاوٹ نہ ڈالو کہ وہ اپنے (زیرِ تجویز) شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مُناکحت پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ اس قسم کی حرکت نہ کرو، اگر تم کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو۔ تمہارے لئے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ (ان باتوں کی مصلحتوں کو خوب) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (کیونکہ تمہارا علم محدود ہے) (۲۳۲)

شرعی احکام و مسائل

ان آیاتِ کریمہ میں اصلاحِ معاشرہ کے لئے چند بہترین احکام دئے گئے ہیں اور طلاق کی حالت میں بھی مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی نگہداشت کی گئی ہے۔ خاص کر عورت کے حقوق کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ طلاق کے واقعہ سے اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا کہ مرد کا یک طرفہ اقدام ہے، مگر اس صورت میں بھی اسلام نے عورت کی فطری ساخت کا لحاظ رکھتے ہُوئے جس طرح قدم قدم پر اُس کے حقوق کی نگہداشت کی ہے اور مختلف حیثیتوں سے مرد پر بندشیں عائد کرتے ہُوئے عورت کے ساتھ نرمی و ملائمت کا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ان آیات میں مردوں سے خطاب کرتے ہُوئے انہیں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں اور اللہ کی حدوں کو نہ توڑیں، ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہ کریں اور احکامِ الٰہی کو مذاق نہ بنائیں۔ بلکہ خُدا اور یوم آخرت کا خوف کرتے ہُوئے ان احکام پر پوری ایمانداری کے ساتھ عمل کریں۔ یہ آیات قانون اور وعظ و نصیحت دونوں کے امتزاج کا بڑا حسین نمونہ ہیں۔

غرض اسلام نے عورت کو جتنے حقوق دئے ہیں اور قدم قدم پر جس طرح اس کے ساتھ رعایت کی ہے اس سے زیادہ کا تصور بھی ہمیں دیگر مذاہب میں نہیں ملتا۔ اسلام نے اگر مردوں کو طلاق کا حق دیا ہے تو

عورتوں کو بھی خُلع حاصل کرنے کا حق دیا ہے کہ اگر مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو رہی ہو تو عدالت یا شرعی پنچایت وغیرہ سے رجوع کر کے وہ "خُلع" کے ذریعہ قانونی طور پر معاہدۂ نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے، جس کا اجمالی تذکرہ ان آیات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے عورت کو اور بھی بہت سی رعایتیں دی ہیں اور بہت سی خرابیوں کا سدباب کیا ہے۔ بہرحال ان آیات سے مستنبط ہونے والے چند اہم احکام و مسائل کی تشریح نمبروار کی جاتی ہے۔

۱۔ رجعت کا حق صرف دو تک ہے

عرب جاہلیت میں رواج تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور جب چاہتا اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیتا۔ اس ظلم کی وجہ سے عورتوں کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی[1] اسلام نے اس ظلم کو مٹانے کے لئے مرد کو صرف دو طلاقوں کا حق دیا ہے جس کے بعد وہ اپنی منکوحہ عورت کو دوبارہ نکاح کئے بغیر لوٹا سکتا ہے۔ ہاں اگر وہ تیسری طلاق دے دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جُدا ہو جائے گی۔

چنانچہ اس آیت کا سببِ نزول مشہور قول کے مطابق یہی ہے کہ یہ طلاقِ رجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ دورِ رسالت میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ میں نہ تو تجھے اپنی گھر والی بنا کے رکھوں گا اور نہ تجھے پوری طرح آزاد ہی کروں گا، جس کے باعث تو دوسرا نکاح کر سکے۔ اس پر بیوی نے پوچھا وہ کیسے ؟ تو اُس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دوں گا، مگر جب تیری عدت پوری ہونے کو آئے تو تجھے لوٹا لوں گا۔ (اور عمر بھر تیرے ساتھ یہی طریقہ اختیار کرتا رہوں گا، جس کی وجہ سے تو مُعلق ہو کر رہ جائے گی)۔ تب اُس عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے اس کی شکایت کی۔ اور حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو اس پر یہ آیت نازل ہُوئی کہ طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کا حق صرف دو بار تک ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت میں جو طریقہ رائج تھا وہ منسوخ ہے[2]

نیز حضرت ابنِ مسعود رض اور حضرت ابنِ عباس رض سے منقول ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں دراصل

---

[1] دیکھئے تفسیر قُرطبی از ابوعبداللہ محمد انصاری قرطبی، ۳/۱۲۶

[2] ایضاً، نیز تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۱، تفسیر ابن جوزی ۱/۲۶۳، تفسیر کبیر ۶/۹۶، اور تفسیر ابن جریر ۲/۲۷۶

طلاق کا سنت طریقہ بتایا گیا ہے۔ یعنی جو شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکا ہو وہ تیسری طلاق سے باز آئے۔ امام قرطبی ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دونوں معنوں کی حامل ہو سکتی ہے۔[۳]

طلاقِ سنت یہ ہے کہ ہر طُہر میں ایک ایک طلاق دی جائے۔[۴] یعنی یہ طلاق متفرق ہو، یکبارگی نہ ہو۔ اور یہ تفسیر اس قول کے مطابق ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔[۵]

۲۔ اثباتِ رجعت میں حکمتِ الٰہی

امام رازی تحریر کرتے ہیں کہ اثباتِ رجعت میں حکمت یہ ہے کہ انسان جب تک اپنی شریکِ حیات کے ساتھ رہتا ہے اُسے اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ آیا اپنی شریکِ حیات کی جُدائی اُس پر شاق گزر سکتی ہے یا نہیں؟ لیکن جب وہ اُس سے جُدا ہو جاتی ہے تب اُسے اس کا صحیح احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی طلاق کو ناقابلِ رُجوع قرار دے دیتا تو انسان کے لئے یہ مشقت بہت سخت ہو جاتی۔ کیونکہ بیوی کی جُدائی کے بعد ہی اُس کی محبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے چونکہ یہ تجربہ ایک طلاق سے پُورا نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے جُدائی کے بعد مُراجعت کا حق دو طلاقوں تک باقی رکھا ہے۔ کیونکہ دو تک انسان کو اس جُدائی کا اچھی طرح تجربہ ہو جاتا ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دل کا حال معلوم کر سکتا ہے۔ پھر اگر اُسے عورت کو روک لینا اور طلاق سے رُجوع کر لینا ہی بہتر معلوم ہو تو وہ (دو طلاقوں کے بعد) معروف طریقے سے اُسے روک لے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر اُسے چھوڑ دینا ہی مناسب نظر آئے تو وہ بہتر طریقے سے اُسے چھوڑ دے گا۔ تو اس طرح درجہ بدرجہ اقدام اور ترتیب کاری بندے پر اللہ تعالیٰ کی کامل درجے کی رحمت و مہربانی پر دلالت کرتی ہے۔[۶]

---

[۳] تفسیر قرطبی ۱۲۶/۳

[۴] تفسیر ابن جوزی، عبدالرحمان ابن جوزی، ۲۶۳/۱، مطبوعہ دمشق

[۵] تفسیر کبیر، از امام رازی، ۹۶/۶، طبع جدید، طہران

[۶] ایضاً ۹۸/۶

یہ ہے اسلامی ضابطہ کی رُو سے ایک ایک کر کے طلاق دینے کی حکمت و مصلحت، جس کو صحیح طور پر برتنے کے بعد انسان ندامت و پشیمانی سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ اُسے اس عرصے میں کامل غور و فکر کرنے اور صحیح قدم اُٹھانے کا موقع حاصل رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ بیک وقت تین طلاق دے دیتا ہے تو یہ سارے فوائد یکلخت ختم ہو جاتے ہیں اور غور و فکر کا موقع ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی وجہ سے اسلامی شریعت میں بیک وقت تین طلاق دینا سخت گناہ کا باعث ہے۔ بعض ائمہ اسے مکروہ و ناجائز اور بعض حرام کہتے ہیں۔

غرض یہ صرف اسلامی قانون ہی کی خصوصیت ہے کہ بیوی کو طلاق دے چکنے کے بعد بھی رُجوع کرنے کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا۔ بلکہ دی ہوئی طلاق کو واپس لے کر مُطلقہ کو دوبارہ بیوی بنانے کا حق پُوری طرح باقی رہتا ہے۔ ورنہ دنیا کے دوسرے کسی بھی مذہب اور کسی بھی قانون میں یہ خصوصیت پائی نہیں جاتی۔ بلکہ اس کے برعکس جب ایک بار طلاق ہو جاتی ہے تو پھر ہمیشہ کے لئے جدائی ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی قانون دُنیا کا انوکھا اور برتر قانون ہے، جو اُس کے مِن جانب اللہ ہونے کی بھی ایک دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ انوکھا قانون آسمانی مذاہب کی تکمیل کرنے والا اور ایک پُر از حکمت قانون ہے، جس میں نہ تو عورت کو ضرر پہنچتا ہے اور نہ ہی مرد کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس قانون کو اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے۔

۳۔ طلاق ایک ایک کر کے دی جائے

آج کل لوگ جہالت کی بنا پر یک ساتھ تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں۔ یہ بہت سخت گناہ ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت کی ہے۔ حضرت عمرؓ تو ایسے شخص کو جو اپنی بیوی کو یکساتھ تین طلاقیں دیتا تھا دُرّے لگایا کرتے تھے[۷] اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے یہ طریقہ آج بھی مُسلم ملکوں میں رائج کرنے کی ضرورت ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے والوں کی خبر دُرّوں سے لی جائے۔ ورنہ یہ مذموم طریقہ ختم نہیں ہو سکتا۔

طلاق دینے کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ یا تو عورت کو طُہر کی حالت میں صحبت کئے بغیر صرف ایک

---

[۷] شرح معانی الآثار ۳۸/۲، مصنف عبدالرزاق ۳۲۲/۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵

طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے (جسے طلاقِ احسن کہتے ہیں)، یا تین مہینوں میں تین طلاق ایک ایک کر کے دی جائے (جسے طلاقِ حسن کہا جاتا ہے)۔ یعنی ہر مہینہ ایک طلاق ایسی حالت میں دی جائے جب کہ عورت کی ماہواری کے دن نہ ہوں اور اس دوران اُس نے بیوی سے صحبت نہ کی ہو۔ اس طریقے پر مرد جب دو طلاقیں دے چکا ہو تو اس کو تیسری طلاق دینے سے پہلے عورت کو لوٹا لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اس کا تذکرہ پہلی آیت میں "طلاق دو بار ہے" کے الفاظ کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ (۲۲۹)

غرض یہ آیتِ کریمہ ان دونوں قسم کی طلاقوں کی حامل بن سکتی ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں قرآنی الفاظ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) کے مطابق الگ الگ طور پر طلاق دینے کا ضابطہ پورا ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر "طلاق دو بار ہے" کہنے کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں طلاقیں الگ الگ ہوں، یکبارگی نہ ہوں۔ ورنہ گناہ لازم آئے گا اور خدا کی نافرمانی ہوگی۔

۴۔ تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو شرعی طریقے کے مطابق ایک یا دو طلاق (حالتِ طُہر میں، ماہانہ ایک ایک کے حساب سے) دے دیں، مگر رُجوع نہیں کیا یہاں تک کہ عورت کی عدت گزر چکی تو اب مرد کو رُجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ اور ایسی عورت کو "بائن" یا "بائنہ صُغریٰ" کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے آزاد ہو گئی اور اُس پر حقِ زوجیت باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں دوبارہ ملاپ کے لئے پھر نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر تیسرے طُہر میں تیسری بار طلاق دے دی جائے تو پھر شوہر کو رُجوع کرنے کا حق سرے سے باقی ہی نہیں رہتا۔ اور بغیر حلالے کے ان دونوں کا دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب تک کہ کوئی دوسرا شخص اس عورت کو اپنے نکاح میں لے کر اُس سے ہم بستری نہ کر لے۔ اس کا تذکرہ آیت ۲۳۰ کے اس فقرہ میں کیا گیا ہے: "پھر شوہر نے اگر عورت کو تیسری بار طلاق دے دی تو وہ عورت اُس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ اُس کا نکاح دوسرے شخص سے نہ ہو جائے"۔ یعنی جب تک کہ دوسرا شخص اُس سے صحبت نہ کر لے۔ واضح رہے کہ لفظ نکاح کے اصل معنی جماع یعنی صحبت کرنے کے ہیں۔ اور مجازاً یہ لفظ عقدِ نکاح کے لئے بولا جاتا

ہے۔[۸] اس لحاظ سے "حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" کی رُو سے دوسرے شوہر سے ہم بستری ضروری ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "تَنْكِحَ" صحبت پر اور لفظ "زَوْجًا" عقدِ نکاح پر دلالت کر رہا ہے۔[۹] اس لحاظ سے حلالے کے لئے یہ دو بنیادی شرطیں ہیں۔ اس کی مزید تشریح اگلے مباحث میں مذکورہ حدیثوں سے بخوبی ہو جائے گی۔

اس آیتِ کریمہ (۲۲۹) کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق یکبارگی نہیں بلکہ الگ الگ دینا چاہئے۔ مگر دو طلاقوں کے درمیان کتنا وقفہ ہو؟ یہ بات اس آیت سے یا قرآن کی کسی بھی دوسری آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے صرف مجرد تفریق یعنی الگ الگ طلاق دینے کا اثبات ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اس کی شرح حدیثوں سے ہوتی ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان کم از کم ایک مہینے کا وقفہ ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی غیر شرعی طور پر بیک وقت دو یا تین طلاقیں دے دے یا تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک ایک طلاق دے دے (جس سے قرآنی لفظ "دو بار" کا تقاضا بخوبی پورا ہو سکتا ہے) تو کیا ہوگا؟ تو اس مسئلے میں صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس طرح بیک وقت یا ایک ہی مجلس میں (تھوڑے تھوڑے وقفے سے) تین طلاق دینا سخت گناہ کا باعث بلکہ حرام ہے۔ مگر جب کوئی شخص اس کا مرتکب ہو جائے تو پھر یہ فعل اپنی جگہ پر لغو یا مہمل نہیں ہوگا، بلکہ واقع ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگلے مباحث سے ظاہر ہوگا۔

۵۔ بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے"۔

مطلب یہ کہ یہ اللہ کے مقرر کردہ شرعی قواعد و ضوابط ہیں۔ ان کی خلاف ورزی مت کرو۔ چنانچہ حدیث میں بطورِ تفسیر مذکور ہے: "اللہ نے چند حدود مقرر کی ہیں۔ تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور اُس نے چند فرائض بیان کئے ہیں انہیں ضائع مت کرو۔ اور چند چیزوں سے منع کیا ہے ان کی بے حرمتی مت کرو۔

---

[۸] عنایہ شرح ہدایہ، ج ۲ ص ۱، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۳۷ء

[۹] تفسیر کبیر ۱۰۵/۶، نیز ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی ۱۴۸/۳

اور چند چیزوں کے بارے میں تمہارے ساتھ رحم دلی کے طور پر بغیر کسی بھول کے خاموشی اختیار کی ہے۔ لہٰذا تم ان کے بارے میں (خواہ مخواہ) سوال مت کرو (ورنہ کسی مشکل میں پڑ جاؤگے)۔[10]

اس آیت (۲۲۹) سے مالکی مذہب والوں نے استدلال کیا ہے (دلیل پکڑی ہے) کہ بیک لفظ تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور ان کے نزدیک صرف ایک طلاق دینا ہی سُنّت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "طلاق دو بار ہے"۔ پھر اس کے بعد فرماتا ہے۔ "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے"۔ نیز یہ لوگ محمود بن لبیدؓ کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت تین طلاق دینے والے ایک شخص پر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا[11] اس حدیث کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۶۔ بیک وقت دی ہُوئی تین طلاقیں پڑجاتی ہیں

نیز اس استدلال کی رُو سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا اگرچہ حرام ہے مگر ایسی طلاقیں پڑجاتی ہیں۔ کیونکہ ظالم ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پڑگئیں۔ ورنہ اس ارتکاب کے باوجود کوئی شخص ظالم نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کہنے سے یہ آیتِ قرآنی بے معنی ہوجاتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص ظلم کرے گا وہ ظالم کہلائے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ظلم کرنے کے باوجود ظالم نہ کہلائے۔ جس طرح کہ کوئی شخص قتل کرنے کے باوجود قاتل نہ کہلائے، گناہ کرنے کے باوجود گنہگار نہ ہو، چوری کرنے کے باوجود چور نہ بنے۔ وقس علی ذٰلك۔ اس طرح کہنا خلافِ عقل ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیتِ کریمہ کا :

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں، تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے۔

اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے وہ واقع نہیں ہوتی یا صرف ایک واقع ہوتی ہے وہ دیکھیں کہ اُن کا قول کہاں تک صحیح ہے اور وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ نیز مفسرِ قرآن حضرت ابنِ عباسؓ

[10] تفسیر ابنِ کثیر، ۱/۳۷۷، از علامہ ابنِ کثیر، مطبوعہ مصر۔
[11] تفسیر ابنِ کثیر ۱/۲۷۷

نے ایک دوسری آیتِ کریمہ سے بھی تین طلاق کے وُقوع پر قطعی اور مُسکت انداز میں استدلال فرمایا ہے۔ یعنی از رُوئے قرآن بیک وقت دی ہُوئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں حدیث ۹ کے تحت ملے گی۔ ظاہر ہے کہ جب قرآنِ مجید سے قطعی طور پر تین طلاقوں کے وُقوع کا ثبوت مل جائے تو پھر اس مسئلے میں چُناں وچُنیں کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہ جاتا۔

۷۔ جہالت کی بنا پر دی ہُوئی طلاقیں بھی پڑجاتی ہیں

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیک وقت دی ہُوئی تین طلاقیں پڑجاتی ہیں تو اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ خواہ وہ جان بُوجھ کر دی گئی ہوں یا جہالت کی بنا پر اور انجانے میں، وہ ہر حال میں واقع ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت ابنِ مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اُس نے کل رات اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا بیک وقت؟ اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے جدا ہوجائے؟ اُس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات ایسے ہی ہوگی جیسے تم نے کہا ہے۔ یعنی اب وہ جُدا ہوچکی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو اللہ نے طلاق کا معاملہ کھول کر بیان کردیا ہے۔ تو اب جس نے اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دی تو یہ صورت اللہ نے واضح کردی ہے۔ مگر جو اس معاملے میں گڑبڑ کرے گا تو ہم اس کی بلا کو اس کے سر باندھ دیں گے۔ اس لئے معاملات کو اس طرح نہ الجھاؤ کہ اس کی وجہ سے ہم کسی مشکل میں پڑجائیں۔[12]

محدث بیہقی نے مُسلمہ بن جعفر سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمدؒ سے کہا کہ لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جس نے جہالت کی بنا پر تین طلاق دے دیں تو انہیں سُنّت کی طرف لوٹایا جائے گا اور انہیں ایک قرار دیا جائے گا۔ اور وہ اس کی روایت آپ سے کرتے ہیں۔ تو اُنہوں نے فرمایا معاذاللہ! یہ ہمارا قول نہیں ہے۔ (بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ) جس نے تین طلاق دے دی تو یہ بات اُسی طرح ہوگی جس طرح کہ اُس نے کہا ہے۔[13]

[12] مُصنّف عبدالرزاق نیز بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۷۸
[13] بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۸۰

نیز بیہقی نے ایک اور روایت جعفر بن محمدؓ ہی سے بیان کی ہے، جس کے مطابق اُنہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق خواہ جہالت کی بنا پر دے یا جان بُوجھ کر دے وہ اس سے بَری ہوگئی۔[14]

۸۔ تین کو ایک قرار دینا اصلاً شیعوں کا مسلک ہے

اُوپر مذکور آخری دو حدیثوں میں جعفر بن محمدؓ سے مراد حضرت جعفر صادقؒ (۸۰ - ۱۴۸ھ) ہیں جن کو شیعہ اپنا امام مانتے ہیں۔ مگر ان دونوں حدیثوں سے شیعوں کا پول بخوبی کھل جاتا ہے کہ وہ جھوٹ موٹ حدیثیں گھڑ کر انہیں اپنے اماموں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مگر بعد کی تحقیق سے ان کے جھوٹ اور مکر و فریب کا پردہ چاک ہو جاتا تھا۔ بہرحال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی بات دراصل شیعوں کی چلائی ہوئی ہے جو بالکل بے اصل ہے۔

واضح رہے کہ شیعوں کا عمومی مسلک یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے ایک بھی واقع نہیں ہوتی[15] مگر بعض شیعہ فرقوں کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔[16] لہٰذا یہ مسلک اصلاً شیعوں ہی کا چلایا ہُوا اور انہیں کا پھیلایا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔

۹۔ نکاحِ ثانی میں صحبت ضروری ہے

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے (خواہ وہ اکٹھا ہوں یا الگ الگ) تو وہ اُس پر اُس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک کہ حسبِ ذیل پانچ شرائط پوری نہ ہو جائیں: وہ عورت عدت گزارے گی۔ (۲) دوسرا نکاح کرے گی۔ (۳) دوسرا شوہر اُس سے ہم بستری کرے گا۔ (۴) پھر وہ از خود طلاق دے گا۔ (۵) پھر اس کے بعد وہ دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی۔[17]

جب یہ پانچ شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر وہ پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، جب کہ وہ

---

[14] بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۸۰

[15] بدائع الصنائع، از امام کاسانی، ۳/۹۶، مطبوعہ کراچی

[16] ابن تیمیہ، از شیخ ابوزہرہ مصری، ص ۴۲۶، مطبوعہ مصر، ۱۹۷۷ء

[17] تفسیر کبیر ۶/۱۰۳

اُس سے دوبارہ نکاح پر راضی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن کا حکم اور فیصلہ اجمالی طور پر اُوپر گزر چکا ہے۔ اب رہا حدیثوں کا معاملہ تو ان میں اس حقیقت کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد دوسرے شوہر کا اُس عورت سے صحبت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وہ پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ مثلاً:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو اُس نے دوسرا نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے شوہر نے بھی اُسے طلاق دے دی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عورت پہلے کے لئے حلال ہو سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ اُس عورت کی مٹھاس چکھ نہ لے جس طرح کہ پہلے نے چکھا ہے۔[18] (یہاں پر مٹھاس چکھنے سے مراد ہم بستری ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے مذکور ہے کہ رِفاعہ قُرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ رفاعہ نے اُنہیں قطعی طلاق (تین طلاق) دے دی ہے، پھر کہا کہ میں نے عبدالرحمان بن زُبیر سے نکاح کر لیا ہے، مگر عبدالرحمان کے پاس جو کچھ ہے وہ کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے جو ابھی بُنا نہ گیا ہو (مطلب یہ کہ وہ نامرد ہیں)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم پھر سے رِفاعہ کے پاس لوٹ جانا چاہتی ہو! مگر نہیں یہ بات اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ تمہاری مٹھاس چکھ نہ لے اور تم اُس کی مٹھاس چکھ نہ لو۔[19]

یہ دراصل تین طلاق دینے والے کے لئے ایک سخت سزا ہے۔ کیونکہ بیوی سے جُدا ہونے کا مقصد صرف ایک طلاق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر شریعت کے اس آسان اور بے ضرر ضابطہ سے مُنہ موڑتے ہوئے اور انتہائی مُہیب قدم اُٹھاتے ہوئے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے بیٹھتا ہے تو وہ نہ صرف اللہ اور اُس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ وہ دراصل اللہ کی سب سے بڑی نعمت کو جو اللہ تعالیٰ نے اُسے بیوی کی شکل میں عطا فرمائی تھی، یکلخت ٹھکرانے کی بنا پر گنہگار بن جاتا ہے اور اس بنا پر

---

[18] بخاری کتاب الطلاق ۶/۱۶۵، مسلم کتاب النکاح ۲/۱۰۵۷، نسائی ۶/۱۴۶

[19] بخاری ۶/۱۶۵، مسلم ۲/۱۰۵۵-۱۰۵۶، نسائی ۶/۱۴۸

وہ سخت سے سخت سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ لہٰذا اب ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کی بیوی جب تک کسی دوسرے شخص کا مُنہ دیکھ نہ لے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ تاکہ اُسے اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت کی ناقدری اور خدائی قانون کی خلاف ورزی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے! تاکہ اس سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو اور انہیں اس غلط اقدام کا انجام اچھی طرح معلوم ہوجائے۔

چونکہ ایسے شخص نے خدا کے بنائے ہُوئے قانون کی خلاف ورزی کرکے دراصل غیرتِ خداوندی کو للکارا ہے، اس لئے اب ضروری ہے کہ ایسے شخص کی بیوی کو دوسرے شخص کے پاس بھیج کر ایسے نافرمان اور ناقدرے شخص کے جذبۂ غیرت وخودداری کو بھی ٹھیس پہنچائی جائے۔ اس اعتبار سے یہ قانون بالکل معقول اور سائنٹفک نظر آتا ہے۔

۱۰۔ حلالے کے لئے کرائے کا شوہر کرنا حرام ہے

اس موقع پر تین طلاق کے بعد اسلامی شریعت میں "حلالے" کی جو قید لگائی گئی ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے یہ شرط پوری کرلی جائے۔ یعنی کرائے کا کوئی "شوہر" تلاش کرکے حلالہ کرالیا جائے۔ اس طرح کرنا سخت گناہ بلکہ حرام ہے۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فعل پر لعنت فرمائی ہے۔

"اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر"۔[20]

لہٰذا مطلقہ عورت کا نکاحِ ثانی صرف اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جب کہ کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے برضا ورغبت نکاح کرے اور حلالہ کرنا اُس کے پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ وہ اُس عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواہش مند ہو، جیساکہ نکاح کا اصل مقصد ہے۔[21]

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے اور اُس کا بھائی بغیر کسی مشورے یا قرارداد کے اپنے بھائی کے لئے حلالہ کرنے کی غرض سے ازخود نکاح کرلے (پھر طلاق دے دے) تو کیا وہ پہلے شخص کے لئے حلال ہوسکتی ہے؟ آپ نے

[20] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل (تفسیر درمنثور)
[21] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۸

فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ برضا ورغبت (یعنی ہمیشگی کی غرض سے) نکاح نہ کرے۔ ہم اس قسم کے نکاح کو دورِ رسالت میں زنا تصور کرتے تھے۔[22]

۱۱۔ طلاق کے بعد عورت کو دیا ہُوا مال واپس لینا جائز نہیں

آیت ۲۲۹ میں مردوں کو یہ بھی حکم دیا جارہا ہے کہ وہ نکاح کے وقت اپنی بیویوں کو مہر، زیور اور کپڑے وغیرہ جو کچھ دے چکے ہیں، وہ طلاق دینے کے بعد واپس نہ لیں، جیساکہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا۔ ایسا کرنا اُن کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات عورتوں کے حق میں سخت ناانصافی ہوگی۔ اور جیساکہ اگلے صفحات میں مذکور سورۂ نساء کی آیت ۲۰ کے تحت اس کی مزید تفصیل آئے گی۔ یہ ساری چیزیں عورتوں کے ساتھ لُطفِ صحبت حاصل کرنے کا صلہ ہیں۔ اور عورت چونکہ طبعاً ایک کمزور مخلوق ہے، اس بنا پر یہ چیزیں واپس لینا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام لوگوں کو یہ اخلاقی تعلیم دیتا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو رخصت کرتے وقت مزید کچھ دے دلاکر رخصت کیا جائے، جیساکہ ایک دوسری آیتِ کریمہ (بقرہ: ۲۴۱) میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اور اس کا بیان اگلی آیات میں آئے گا۔

ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: آپ نے فرمایا کہ (زمانۂ جاہلیت میں) کوئی بھی شخص اپنی بیوی کو دیئے ہوئے مہر اور دوسری چیزوں کو ہڑپ کرلیتا تھا اور اس کو وہ کسی قسم کا گناہ تصور نہیں کرتا تھا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: "تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم جو کچھ اپنی عورتوں کو دے چکے ہو ان میں سے کچھ بھی لے سکو"۔ تو اس آیت کے نزول کے بعد عورتوں کی کوئی بھی چیز لینا مردوں کے لئے صحیح نہیں رہا، سوائے اِس کے کہ اُس کا کوئی حق ہو۔ پھر اس کے بعد ارشاد ہُوا: "ہاں اگر ان دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدوں (ضوابط) کو قائم نہ رکھ سکیں گے"۔ اسی طرح ارشاد ہے: "اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے"۔[23]

مطلب یہ کہ جب اس قسم کا اندیشہ پیدا ہوجائے تو پھر اس صورت میں (یعنی طلاق یا خُلع حاصل

[22] حاکم، بیہقی، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۸۴
[23] ابوداؤد، منقول از درمنثور ۱/۲۸۰

کرنے کی غرض سے) کچھ لے دے کر سمجھوتہ کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اگلی بحث میں کی گئی ہے۔

۱۲۔ ظلم و زیادتی کی وجہ سے عورت خُلع لے سکتی ہے

اس آیت (۲۲۹) کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان عورت کو خُلع حاصل کرنے کا حق بھی عنایت فرمایا ہے، جب کہ (۱) میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں اور ان دونوں میں کسی طرح بنتی نہ ہو، مگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ بھی نہ ہو (۲) یا یہ کہ مرد عورت پر ظلم و زیادتی کر رہا ہو اور اس بنا پر عورت کو اُس کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو گیا ہو۔ اس طرح کے کسی سبب کی بنا پر جب عورت کو یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ ازدواجی فرائض ادا نہ کر سکے گی اور مرد کے ساتھ اس کا نباہ نہ ہو سکے گا تو اس صورت میں عورت اگر یہ کہے کہ میں اپنا مہر یا اُس کا کچھ حصہ چھوڑ دیتی ہوں اور شوہر اُس کے بدلے میں طلاق دے دے تو ایسے معاملے کو "خُلع" کہتے ہیں۔

خُلع کی صُورت میں جو طلاق دی جائے گی وہ رجعی (لوٹانے والی) نہیں بلکہ بائنہ (جُدا ہونے والی) ہوگی۔ چونکہ عورت نے معاوضہ دے کر گویا کہ اس طلاق کو خریدا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اس طلاق سے رجوع کر سکے۔ البتہ یہی مرد اور عورت اگر پھر دوبارہ ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو ایسا کرنا اُن کے لئے بالکل جائز ہوگا۔ واضح رہے کہ خُلع اصلاً طلاق ہی ہے، مگر وہ چونکہ عورت کے مطالبے پر دی جاتی ہے اس لئے اس کا نام خُلع رکھا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس قسم کی طلاق (خُلع) میں اگر قصور مرد کا ہو تو پھر "فِدیہ" یعنی معاوضہ لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے[۲۴] لیکن اگر قصور عورت کا ہے تو اس صورت میں اپنے دئے ہوئے مہر سے زیادہ لینا بھی صحیح نہیں ہے۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ یہ آیت جمیلہ بنتِ سہل کے بارے میں نازل ہوئی جو ثابت بن قیسؓ کی بیوی تھیں۔ اس واقعہ کے مطابق ثابت بن قیسؓ نے اپنی بیوی کو مہر میں ایک باغ دیا تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کروا کے ان دونوں کے درمیان خُلع کروا دیا۔[۲۵] اور بقول

[۲۴] تفسیر ابن جریر ۲/۲۸۲، تفسیر قرطبی ۳/۱۳۷

[۲۵] تفسیر ابن جریر ۲/۲۸۰ - ۲۸۱، تفسیر قرطبی ۳/۱۴۱

حضرت ابن عباسؓ یہ دَورِ اسلام میں اولین خُلع تھا۔ بعض حدیثوں میں مذکور ہے کہ کسی عورت کے لئے بلا وجہ خُلع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ایسی عورتوں کو منافقات قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں حدیث ۱۹ کے تحت ملے گی۔

خُلع مرد اور عورت کے درمیان باہمی رضامندی سے (قاضی یا کورٹ کی مداخلت کے بغیر) بھی ہو سکتا ہے یا شرعی پنچایت اور قاضی کی عدالت وغیرہ کے ذریعہ بھی۔ اس سلسلے میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ خود مرد اور عورت کے طرفدار باہم مل کر اس سلسلے میں شرعی حدود کے اندر دونوں میں صُلح و صفائی اور تصفیہ کرانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر یہ کوشش ناکام ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان طلاق یا خُلع کرا دیں۔ واضح رہے کہ طلاق اگر مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں مہر وغیرہ واپس لینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ عورت کے مطالبے پر ہو تو اس صورت میں صرف مہر واپس لے سکتا ہے، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی۔

۱۳۔ مُطلّقہ عورتوں کو تکلیف نہ دی جائے

آیت ۲۲۹ میں جو حکم دیا گیا تھا کہ دو طلاق کے بعد یا تو مُطلّقہ عورت کو معروف طریقے سے روک لیا جائے (پھر سے بیوی بنا لیا جائے) یا پھر حُسنِ سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔ اس کی مزید وضاحت آیت ۲۳۱ میں کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ طلاق دے چکنے کے بعد جب مُطلّقہ عورت کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو پھر اُسے خواہ مخواہ تکلیف دینے کی غرض سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً پہلے ایک طلاق دی تھی مگر جب عدت ختم ہونے کے قریب ہو گئی تو رجوع کر لیا اور پھر اس کے بعد دوسری طلاق دے دی، تاکہ عورت کو خواہ مخواہ ضرر اور نقصان پہنچایا جائے۔ تو فرمایا جا رہا ہے کہ اس قسم کا اقدام اللہ کی نظر میں ایک معاشرتی گناہ اور ظلم ہے، جو اللہ کی آیات اور اُس کے احکام کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ آیت ایک انصاری شخص ثابت بن یسار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، مگر جب اُس عورت کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اُس نے رُجوع کر لیا، مگر اس کے بعد پھر طلاق دے دی۔ چنانچہ وہ اس فعل کو اسی طرح دُہراتا رہا یہاں تک کہ اُس عورت پر

نو ماہ گزر گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُوا)۔[26]

۱۴۔ اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ

اللہ کی آیتوں یعنی اُس کے احکام کے ساتھ مذاق مت کرو۔ (آیت ۲۳۱) یعنی اُس کے احکام کے ساتھ مت کھیلو۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ نکاح کرنے یا طلاق دینے کے بعد یوں کہہ دیتے تھے کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صاف صاف فرما دیا کہ جس نے اس طرح مذاقاً نکاح کیا یا طلاق دی تو دونوں صورتوں میں یہ بات لاگو ہو جائے گی۔ اور مختلف کتب حدیث و تفسیر میں اس معنی کی متعدد روایتیں مذکور ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجعت۔[27]

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جو لوٹائی جائیں گی: نذر، طلاق، غلام آزاد کرنا اور نکاح۔[28]

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ: جس نے مذاق میں طلاق دی تو وہ نافذ (لاگو) ہو جائے گی، جس نے مذاق میں غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور جس نے مذاق میں نکاح کیا تو وہ بھی نافذ ہو جائے گا۔[29]

بہرحال علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے مذاق کے طور پر یا کھیل تماشے میں طلاق دی تو وہ پڑ جائے گی۔[30]

---

[26] تفسیر ابن جریر ۲/۲۹۵، تفسیر در منثور ۱/۲۸۵

[27] دیکھئے تفسیر قرطبی ۳/۱۵۷، یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی میں بھی مروی ہے۔ دیکھئے تفسیر در منثور ۱/۲۸۶

[28] منقول از تفسیر در منثور، از علامہ سیوطی، ۱/۲۸۶، مطبوعہ بیروت

[29] مُصنّف عبدالرزاق، منقول از تفسیر در منثور ۱/۲۸۶

[30] تفسیر قرطبی ۳/۱۵۷

اسی طرح بیک وقت تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دینا بھی احکامِ الٰہی کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ طلاق اصلاً ایک ایک کر کے دی جانی چاہیئے، جیسا کہ ارشادِ باری "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (طلاق دو بار ہے) کا تقاضا ہے۔ یعنی دو طلاقیں دو بار ہوں، ایک ہی بار نہ ہوں۔[31] جب دو طلاقیں ایک بار دینا منع ہے تو ظاہر ہے کہ تین طلاقیں ایک بار دینا بھی منع ہے۔ حدیثِ شریف چونکہ قرآن کی شرح ہے، اس لئے حدیث کی رُو سے ان "دو بار کی طلاقوں" کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا ایک ہی مہینے میں دو بار یا تین بار، یا ایک ہی مجلس میں دو بار یا تین بار، یا ایک ہی لفظ میں دو بار یا تین بار طلاق دینا غیر شرعی اور ممنوع طریقہ ہے، جو دراصل احکامِ الٰہی کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ اسی بنا پر نسائی کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاق دینے کو اللہ کی کتاب سے کھیلنا قرار دیا ہے۔ دیکھئے یہ حدیث کس طرح مروی ہے:

محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اُس نے اپنی بیوی کو پوری تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟ اس پر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا میں اُس شخص کو قتل کر دوں؟[32]

علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ (سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ) بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور جمہور علماء (علماء کی اکثریت) کا مسلک یہ ہے اس طرح دی ہوئی تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔[33] کیونکہ ان طلاقوں کو واقع نہ مانا جائے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ اتنی شدید ناراضگی کو دیکھ کر ایک صحابی اُس شخص کو قتل تک کر دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ اس حدیث کی مزید تشریح اگلے باب میں حدیث ۴۲ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

---

[31] حاشیہ سنن نسائی، از علامہ سیوطیؒ ۶/۱۴۳، مطبوعہ بیروت

[32] نسائی ۶/۱۴۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

[33] حاشیہ سنن نسائی، ۶/۱۴۳ (طبع مذکور)

غرض بیک وقت تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دینا بھی آیاتِ الٰہی (احکام خداوندی) سے کھیلنا اوران کے ساتھ مذاق کرنا ہے، جو بہرصورت لاگو ہوجائیں گی، لغو یا بے معنی نہیں ہوں گی۔ اور تین سے زیادہ طلاق دینے کی صورت میں صرف تین ہی واقع ہوں گی، باقی بے معنی قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ کسی بھی شخص کو شرعاً صرف تین ہی طلاقیں دینے کا اختیار ہے۔ دیکھئے یہ مسئلہ حسب ذیل حدیثوں سے دو اور دو چار کی طرح کس طرح ثابت ہوتا ہے!

موطا امام مالک میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ مطلقہ بن گئی اور باقی ۹۷ کے ذریعہ تُو نے اللہ کے احکام کو مذاق بنایا ہے[34]

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تین سے تو وہ بائن (تم سے جُدا) ہوگئی اور باقی طلاقیں گناہ قرار دی جائیں گی[35]

اس طرح کی اور بھی حدیثیں موجود ہیں۔ بہرحال اس بحث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نکاح کے "دو بول" بولنے سے وہ جس طرح منعقد ہوجاتا ہے، اسی طرح طلاق کے "دو بول" بولنے سے وہ ٹوٹ بھی جاتا ہے، خواہ کوئی مذاقاً بولے یا سنجیدگی سے۔ اسی طرح اس بحث سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہوگئی کہ نکاح اصلاً ایک معاشرتی و عمرانی معاہدہ ہے جو جس طرح منعقد ہوسکتا ہے اسی طرح وہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس عمرانی معاہدہ کی رُو سے جس طرح ایک طلاق واقع ہوسکتی ہے، اسی طرح تین طلاقیں بھی واقع ہوسکتی ہیں۔ اور ان دونوں میں فرق جو کچھ ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کی صورت میں یک گونہ تعلق باقی رہتا ہے، جب کہ تین طلاق دینے کی صورت میں رشتۂ ازدواج پوری طرح منقطع ہوجاتا ہے۔ مگر جہاں تک ان کے وقوع کا سوال ہے تو اس میں شرعی و عقلی کسی بھی حیثیت سے یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ مذکورۂ بالا مباحث کی رُو سے شرعی و

۳۴ موطا ۲/۷۹، مطبوعہ بیروت۔ نیز سنن دارقطنی ۳/۱۲، مطبوعہ مصر

۳۵ مصنّف عبدالرزاق، بیہقی، منقول از درمنثور ۱/۲۸۶

عقلی دونوں حیثیتوں سے اس کا وقوع ثابت ہے۔

حاصل بحث یہ کہ تین طلاق خواہ سنجیدگی کے ساتھ دی جائیں یا مذاق کے ساتھ، جان بُوجھ کر دی جائیں یا جہالت و ناواقفیت کی بنا پر وہ ہر صُورت میں واقع ہوجاتی ہیں۔ اس قسم کا اقدام اگرچہ احکام خُداوندی کے ساتھ ایک مذاق ہے مگر یہ فعل نہ تو لغو یا کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا مُرتکب مقررہ سزا سے بچ سکتا ہے۔

۱۵۔ حدودِ الٰہی سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہوگی

ان آیات میں جگہ جگہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھنے اور ان سے تجاوز نہ کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ اور خاص کر آیت ۲۳۱ میں بڑے بلیغ اور مؤثر انداز میں نصیحت کی گئی ہے۔ نیز اللہ کی نعمت کا تذکرہ کرتے ہُوئے اس کی عدول حکمی سے منع کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس موقع پر اللہ کی نعمت سے مراد اسلام ہے جس سے اُس نے اہلِ اسلام کو سرفراز کیا ہے اور ان کو حکمت سے بھرپور کتاب و شریعت عطا کی ہے۔ لہٰذا اس پُراز حکمت کتاب و شریعت کا تقاضا ہے کہ اللہ کے بندے اس پر صدقِ دلی کے ساتھ عمل کریں اور اللہ کی آیات اور اُس کے احکام سے نہ کھیلیں اور اُس کے دین و شریعت کو مذاق نہ بنائیں۔

حدود اللہ سے مُراد وہ چیزیں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے۔ اور حد فحش کاموں پر جرأت کرنے سے روکتی ہے[36] لہٰذا خُدا اور یومِ آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ حدودِ الٰہی کو ہر حال میں قائم رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور اُس کے شرعی ضوابط کو توڑنے کی کبھی جرأت نہ کی جائے۔ ورنہ ایسے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

۱۶۔ عورتوں کو اپنی پسند کے مطابق نکاح کا حق ہے

آخری آیت (۲۳۲) میں کہا جارہا ہے کہ طلاق دے چکنے کے بعد مُطلّقہ عورتوں کی عدت پوری ہوجائے اور پھر وہ اپنی پسند کے مُطابق کسی نئے شخص سے یا سابقہ شوہر ہی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو پھر ان کو مت روکو، جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم رضامند ہوں۔ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صُورت میں اُن کے لئے بہتری اور اچھا انجام مُقدّر کر رکھا ہو۔

۳۶ تفسیر قرطبی: ۳/۱۵۴

چنانچہ حدیث کی متعدد کتابوں میں ایک صحابی معقل بن یسار کی بہن کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ اُنہوں نے اپنی بہن کا نکاح اپنے چچازاد بھائی سے کر دیا تھا۔ مگر چند دنوں کے بعد اُس نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اُس عورت کی عدت گزر گئی۔ پھر دوبارہ اُس نے نکاح کا پیغام بھیجا تو معقل بن یسار کو اس سے بڑی غیرت آئی اور کہا کہ اُس نے میری بہن کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ اس پر قابض تھا اور اب دوبارہ پیغام بھیج رہا ہے! تو اُنہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا۔ (مگر چونکہ وہ عورت بھی اُسی شخص سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی تھی) اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معقل کو بلا کر اُنہیں یہ آیت سُنائی تو اُن کی غیرت دُور ہوئی اور اُنہوں نے اللہ کے حکم کی پیروی کی۔[۳۷]

اس حکم سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ (بالغ اور خاص کر شوہر دیدہ) عورت اپنی پسند کے مطابق نکاح کر سکتی ہے۔ اور عورت کے ولی (سرپرست) کو جائز نہیں ہے کہ اس کا نکاح اُس کی مرضی کے بغیر زبردستی کسی سے کر دے۔

اور احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ (بالغ) عورت اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے (..... اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو پھر اُن کے درمیان رُکاوٹ نہ ڈالو کہ وہ اپنے (زیرِ تجویز) شوہروں سے نکاح کرلیں)۔ جیسا کہ یہ بات سابقہ آیات میں بھی مذکور ہے اور ان مقامات میں ولی کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔[۳۸]

(۲) لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (۲۳۶) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۲۳۷) وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى

[۳۷] بخاری ۶/۱۸۴، مطبوعہ استانبول، ابوداؤد ۲/۵۶۹ ـ ۵۷۰، نیز ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

[۳۸] دیکھئے تفسیر قرطبی ۳/۱۵۹ اور تفسیر کبیر ۶/۱۱۳ ـ ۱۱۴

الْمُتَّقِينَ (۲۴۱) كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲۴۲) سورۂ بقرہ۔

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے (یعنی جماع کرنے) اور مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔ (ایسی صورت میں) ان کو کچھ تحفہ دو: امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقے سے دے۔ نیک لوگوں کو ایسا ضرور کرنا چاہئے (۲۳۶) اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے ان کو طلاق دو جب کہ اُن کا مہر مقرر ہو چکا ہو تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا (اور تحفہ لازم نہیں ہوگا)۔ مگر یہ کہ عورتیں خود ہی (اپنا مہر) معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جسے نکاح باندھنے کا اختیار ہے۔ اور معاف کرنا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ (لہٰذا) باہم ایک دوسرے پر احسان کرنے سے مت چوکو (مثلاً عورت آدھا مہر بھی چھوڑ دے یا مرد پورا مہر دے دے)۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۷) اور طلاق والیوں کو رواج کے مطابق تحفہ ملے گا۔ یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر (۲۴۱) اسی طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان کرتا ہے، تاکہ تم (ان باتوں کو اچھی طرح) سمجھ لو۔ (۲۴۲)

شرعی احکام و مسائل

۱۷۔ مہر اور طلاق کا ایک ضابطہ

اسلامی شریعت کے مطابق جس طرح پہلے سے مہر مقرر کر کے نکاح کرنا صحیح ہے، اسی طرح بغیر مہر مقرر کئے نکاح کرنا بھی درست ہے۔ اور جس طرح نکاح کرنے اور عورت سے مباشرت کر چکنے کے بعد طلاق دینا صحیح ہے، اسی طرح مباشرت کرنے سے پہلے بھی طلاق دینا صحیح ہے۔ اوپر مذکور پہلی دو آیتوں سے یہی دو اہم مسئلے ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔

۱۸۔ بلا وجہ طلاق دینا سخت ناپسندیدہ ہے

"تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے اور مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دو۔" اس قسم کی آیات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح طلاق دینا بالکل جائز ہے اور اس طرح طلاق دینے والے پر کسی بھی قسم کا گناہ نہیں ہوگا۔ تو یہاں پر یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن مجید کو اس موقع پر طلاق کے اسباب و عوامل سے کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اسباب و وجوہات جو بھی ہوں وہ ان سے تعرض کئے

بغیر صرف ان مسئلوں میں جواز ثابت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ معاشرتی اعتبار سے ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں جس کی بنا پر ایک شخص کسی خاص سبب اور خاص وجہ کی بنا پر نکاح کرنے کے فوراً بعد طلاق دینے پر مجبور ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت میں اس کی وضاحت ضروری تھی کہ جب ایسی صورتِ حال پیش آجائے تو کیا کوئی شخص طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواز کو ثابت کرنے کی غرض سے ان آیات میں اس کا بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص نکاح کرنے کے فوراً بعد طلاق دینے کی حماقت تو نہیں کرے گا۔ بلکہ اس قسم کا اقدام کسی غیر معمولی سبب کی نشاندہی کرنے والا ہوتا ہے۔ مگر قرآن اس قسم کے اسباب کی نشاندہی کئے بغیر محض صورتِ واقعہ کو تسلیم کر کے ایک مسئلہ کا حکم بتا رہا ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ بلا وجہ طلاق دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کی وضاحت حدیثوں میں کی گئی ہے کہ نکاح کے بندھن کو بغیر کسی سبب کے توڑنا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًا اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اُن میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اُس کے نزدیک طلاق ہے۔[۳۹]

نکاح کا اصل مقصد گناہ سے بچنے اور پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی غرض سے عورت کو ہمیشہ کے لئے اپنا رفیقِ زندگی بنانے کا ارادہ کرنا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دین و دنیا کی بھلائیاں اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔ یہ نہیں کہ محض چند دنوں کے لئے عورت سے لطف اٹھانے کی غرض سے نکاح کیا جائے پھر اُسے طلاق دے کر چلتا کر دیا جائے۔ ایسا کرنا سخت گناہ اور معاشرتی فساد کا باعث ہے۔ اور اس قسم کے فعل کی قرآن اور حدیث دونوں میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ: تمہارا مقصود مال خرچ کر کے عفت قائم رکھنے والے بننا ہو، نہ کہ شہوت رانی کرنے والے بننا۔ (نساء: ۲۴)

اور حدیث شریف میں مذکور ہے: لَعَنَ اللّٰهُ الذَّوَّاقِيْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ: اللہ لعنت کرے

[۳۹] سُنن ابو داؤد ۲/ ۶۳۱ مطبوعہ حمص، سُنن دار قطنی ۴/ ۳۵ مطبوعہ مصر۔

جنسی چسکہ اُٹھاتے رہنے والے مردوں اور ایسی ہی عورتوں پر۔

۱۹۔ مُطلقہ عورتوں کی چار قسمیں

غرض عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہی مسئلہ رہتا ہے کہ کسی عورت کا مہر مقرر کئے بغیر یا "مہرِ مثل" ادا کئے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان آیات میں اس مسئلے کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ چونکہ ان آیات کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی عورت سے مہر مقرر کرنے سے پہلے بھی نکاح ہو سکتا ہے اور مہر مقرر کرنے کے بعد بھی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی عورت کو ہاتھ لگانے (صحبت کرنے) سے پہلے بھی طلاق دی جاسکتی ہے اور ہاتھ لگانے کے بعد بھی۔ اس طرح مجموعی اعتبار سے مُطلقہ عورتوں کی حسبِ ذیل چار قسمیں قرار پاتی ہیں:

۱۔ وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا اور اُسے ہاتھ بھی نہ لگایا گیا ہو۔

۲۔ وہ مطلقہ جس کا مہر تو مقرر ہو مگر اُسے ہاتھ نہ لگایا گیا ہو۔

۳۔ وہ مطلقہ جس کا مہر بھی مقرر ہو اور اُسے ہاتھ بھی لگایا جا چکا ہو۔

۴۔ وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا اور اُسے ہاتھ لگایا جا چکا ہو۔[۴۰]

چنانچہ آیت ۲۳۶ میں پہلی قسم کی مُطلقہ کا اور آیت ۲۳۷ میں دوسری قسم کی مُطلقہ کا بیان موجود ہے کہ ان دونوں صورتوں میں شرعی حکم کیا ہے؟ تو اُوپر مذکور چار آیتوں میں سے پہلی دو آیتوں میں پہلی اور دوسری قسم کی مطلقہ عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلی قسم کی مطلقہ کو مہر نہیں ملے گا بلکہ اس کے عوض میں کچھ تحفہ ملے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں "متاع" یا "مُتعہ" (طلاق کا تحفہ) کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم کی مطلقہ کو نصف مہر ملے گا۔

۲۰۔ مُطلقہ کو تحفۂ طلاق کب ملے گا؟

غرض پہلی آیت (۲۳۶) کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر مہر مقرر کئے کسی عورت سے نکاح کرنا اور (کسی وجہ سے) اُسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دینا جائز ہے۔ مگر اس صورت میں عورت کو "متاع" (تحفۂ طلاق) دینا پڑے گا۔ یعنی اُس کی دلداری کی خاطر بطورِ تحفہ کچھ چیزیں دینا واجب ہے۔ کیونکہ ایسی عورت کو مہر

[۴۰] تفسیر کبیر ۶/ ۱۳۵، تفسیر قرطبی ۳/ ۱۹۷

نہیں ملتا، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

اسلامی شریعت میں "تحفۂ طلاق" کی کوئی متعین مقدار نہیں ہے۔ بلکہ مختلف فقہا کے نزدیک اس کا معیار مختلف ہے۔ اور اس کا سب سے کمتر درجہ تین کپڑے ہیں اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ دورِ قدیم کے معیار کے مطابق ایک خادم فراہم کرنا قرار دیا گیا تھا۔ مگر بہتر ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق اس صورت میں زیادہ سے زیادہ سخاوت کر کے عورت کی وحشت کو دُور کرنے کی کوشش کرے، جیسا کہ قرآن کی اس تصریح کا تقاضا ہے۔ "امیر اپنی حیثیت کے مُطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مُطابق معروف طریقے سے دے"۔ لہٰذا اگر کوئی ہزاروں روپئے بھی دے دے تو وہ جائز ہے۔ مگر اس سلسلے میں کوئی قانون یا ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مرد کی حیثیت پر محمول کیا ہے۔ اور مرد امیر بھی ہوسکتا ہے اور غریب بھی۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق دے اور مطلّقہ کا دل نہ دُکھائے۔

اس اعتبار سے یہ بھی اسلام کی حُسنِ معاشرت اور اُس کی بے نظیر اخلاقی تعلیم کی ایک جھلک ہے کہ وہ کسی بھی صُورت میں عورت کی دل شکنی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر معاملے میں اُس کے ساتھ نیکی، مروّت اور حُسنِ سلوک کی تلقین کرتا ہے۔

۲۱۔ عورت کو نصف مہر کب ملے گا ؟

دوسری آیت (۲۳۷) میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مہر مقرر ہوچکنے کے بعد اگر کسی عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دینے کی نوبت آگئی تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟ تو قرآن فتویٰ دے رہا ہے کہ اس صورت میں مقررہ مہر کا نصف حصہ دینا پڑے گا۔ مثلاً اگر کسی نے دو ہزار رُوپئے مہر مقرر کئے تھے تو اس صورت میں ایک ہزار روپئے دینے پڑیں گے۔ اگر دس ہزار مقرر کئے تھے تو پانچ ہزار دینے ہوں گے۔ چونکہ مہر عورت کا ایک شرعی حق ہے اس لئے وہ سوائے پہلی صورت کے بقیہ تینوں صورتوں میں واجب رہتا ہے۔

۲۲۔ عورت کو پُورا مہر کب ملے گا ؟

مذکورۂ بالا چار شکلوں میں سے تیسری شکل کے مطابق یعنی مہر مقرر ہوچکنے اور مباشرت ہوجانے کے بعد اگر کسی نے طلاق دی ہے تو اس صورت میں پُورا مہر دینا پڑے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اس کی

صراحت کی گئی ہے :

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً : جن عورتوں سے تم نے لطفِ صحبت اُٹھایا ہے اُن کے بندھے ہُوئے مہر انہیں دے دو۔ (نساء : ۲۴)

اور چوتھی صورت میں جب کہ مہر تو مقرر نہیں تھا مگر صحبت ہوچکی تھی، ایسی حالت میں اگر کسی نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی ہو تو اُس وقت "مہرِ مثل" لازم آئے گا۔ اور مہرِ مثل اُس مہر کو کہتے ہیں جو عورت کے قبیلے یا خاندان میں رائج ہو۔ اور خاص کر عورت کی بہنوں اور اُس کی پھوپیوں کا جو مہر ہو۔

۲۳۔ مطلّقہ عورتوں کو کچھ تحفہ دینا چاہئے

آیت ۲۴۱ اس مسئلے پر روشنی ڈال رہی ہے کہ مطلّقہ عورتوں کو رخصتی کے وقت مہر کے علاوہ بھی بطورِ تحفہ کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ اور اکثر علماء اور مفسّرین کے نزدیک یہ حکم بطور استحباب ہے (یعنی ایک اخلاقی فریضہ ہے)، جب کہ وُجوب صرف ایک ہی قسم کی مطلّقہ کے لئے ثابت ہوتا ہے، جس کا بیان اُوپر آیت ۲۳۶ میں ہوچکا ہے [۴۱]

حاصل یہ کہ پہلی قسم کی مطلّقہ کے لئے چونکہ مہر نہیں ہے اس لئے اس کے لئے تحفہ (متاع) واجب ہے، جب کہ بقیہ تین قسم کی مطلّقہ عورتوں کے لئے مہر واجب ہے۔ (کسی کو آدھا، کسی کو پورا اور کسی کو مہرِ مثل) لہٰذا ان کے لئے تحفہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس بنا پر ہر شخص کو اس سلسلے میں خوش دِلی اور حُسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے "ساتھی" کو رخصت کر رہا ہے جس سے وہ لُطف اندوز ہوچکا ہے۔

چونکہ طلاق کا معاملہ انتہائی کشیدگی کے ماحول میں ہوتا ہے، اس لئے ایسے نازک موقعوں پر عورتوں سے کسی بھی قسم کا تعرض کئے بغیر (خواہ طلاق کا سبب عورت ہی کیوں نہ ہو) مردوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے رخصتی کے وقت انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ روانہ کریں اور

---

[۴۱] یہی وہ آیتِ کریمہ ہے جسے بنیاد بنا کر سپریم کورٹ نے ۱۹۸۵ء میں (شاہ بانو کیس کے سلسلے میں) ایک غلط فیصلہ دیا تھا۔ اور اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے راقم سطور کی حسبِ ذیل دو کتابیں دیکھنی چاہئیں :

۱۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ : حقائق و واقعات کی روشنی میں (اُردو اور انگریزی)

۲۔ شریعتِ اسلامیہ کی جنگ : نفقۂ مطلّقہ کی روشنی میں

ایک دوسرے کے ساتھ معافی و درگزر کا رویّہ اپنائیں۔ جیسا کہ یہ تاکید خاص کر آیت ۲۳۷ میں نظر آتی ہے، جس میں مرد اور عورت دونوں کو فراخدلی کا اظہار کرنے پر اُبھارا گیا ہے۔

(۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (۱۹) وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا (۲۰) وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (۲۱) سورۂ نساء

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ اور اپنا دیا ہُوا کچھ مال ان سے واپس لینے کی غرض سے انہیں روکے رکھو، ہاں اگر وہ کُھلم کُھلا کسی بدچلنی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تمہیں (ان کی) کوئی ایک چیز پسند نہ آئے مگر (مجموعی طور سے) اللہ نے بہت کچھ بھلائی رکھ چھوڑی ہو۔ (۱۹) اور اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو اور صورت یہ ہو کہ تم اُن میں کسی ایک کو ایک انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب بن کر اسے واپس لوگے؟ (۲۰) تم اسے کس طرح واپس لے سکتے ہو جب کہ تم باہم ایک دوسرے سے لُطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟ (۲۱)

شرعی احکام و مسائل

۲۴۔ زبردستی عورتوں کا مالک بن جانا جائز نہیں

پہلی آیت میں تین قسم کے احکام دئے گئے ہیں۔ اور ان میں سے پہلا حکم ایک خاص قسم کے سماجی ظلم اور عورتوں کے ساتھ ناانصافی کو روکنا ہے۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کا کوئی قریبی عزیز یا رشتہ دار آتا اور مُتوفّی (مرے ہُوئے شخص) کی بیوی یا اُس کی لڑکی پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔

اور اس فعل سے اُس دور کے سماجی رواج کے مُطابق اُس کا حق ثابت ہو جاتا۔ اور اُسے اختیار حاصل رہتا کہ وہ چاہے تو اُس عورت یا لڑکی سے بغیر مہر کے نکاح کرلے، یا اُس کا نکاح اپنی مرضی سے کسی اور سے کردے، یا پھر اُس کو شادی سے بالکل روکے رکھے، تاکہ اُس نے جو کچھ ترکہ پایا ہے اُسے زبردستی ہتھیا سکے۔[۴۲]

۲۵۔ عورتوں کا مال زبردستی ہتھیانا جائز نہیں

عورت کے ساتھ سماجی ظلم کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کسی کے عقد میں کوئی بوڑھی عورت ہو، یا ایسی عورت جو اُسے ناپسند ہو اور وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہو، مگر پہلی بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے اُس کو چھوڑنا بھی گوارا نہ ہو۔ بلکہ وہ اُسے محض اس وجہ سے روکے رکھنا چاہتا ہو کہ اُس کے مرجانے کے بعد یا تو وہ اُس کا وارث بنے یا اُس سے کوئی موٹی رقم لے کر اُس کو خُلع دے دے۔ تو ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔[۴۳]

۲۶۔ مہر اور تحفے واپس لینا ناجائز ہے

پہلی آیت (۱۹) سے دوسرا حکم یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ناپسندیدہ عورت کو اُس کے حقوق معطّل کر کے اور اُسے طلاق دئے بغیر محض اس بنا پر روکے رکھنا کہ مرد نے عورت کو جو تحفے تحائف دئے تھے وہ یا اُن میں کا کچھ حصّہ واپس لینے کا خواہشمند ہو تو یہ فعل شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے کوئی کھلی ہُوئی بے حیائی یا ناشائستہ حرکت کا اظہار ہو رہا ہو جس کی وجہ سے اُس عورت کو طلاق دینا ضروری ہو رہا ہو تو اس صورت میں اپنے دئے ہُوئے مہر کا واپس لینا جائز ہوگا۔ یعنی مہر واپس لے کر خُلع کرلیا جائے۔[۴۴]

اس موقع پر "فَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ" (کھلی ہُوئی بے حیائی) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور مفسّرین نے اس کے کئی معنی بیان کئے ہیں: (۱) اس سے مُراد زناکاری ہے۔ (۲) اس سے مُراد نافرمانی ہے۔ (۳) اس سے مُراد بدگوئی و بداخلاقی اور شوہر کو تکلیف پہنچانا ہے۔[۴۵] اور یہ سب معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

---

[۴۲] ابوداؤد ۲/۵۷۲، تفسیر کبیر ۱۰/۱، تفسیر قرطبی ۵/۹۴، تفسیر روح المعانی ۴/۲۴۱

[۴۳] ماخوذ از تفسیر قرطبی و روح المعانی

[۴۴] ماخوذ از تفسیر مظہری ۲/۴۹۔۵۰

[۴۵] تفسیر قرطبی ۵/۹۵، تفسیر کبیر ۱۰/۱۱

یعنی عورت جب اس قسم کی کوئی حرکت کر بیٹھے تو پھر وہ رعایت کی مستحق نہیں رہتی۔

۲۷۔ کسی عورت میں کوئی خامی ہو تو کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں

پہلی آیت سے تیسرا حکم یہ ثابت ہو رہا ہے اور مردوں کو عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے کہ اگر بالفرض عورت کی کوئی بات یا اُس کا کوئی فعل مرد کے لئے ناگوار اور شاق گزر رہا ہو تو حُسنِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد اُسے جہاں تک ہو سکے برداشت کرے، نہ کہ جھٹ خفا ہو کر طلاق داغ دے۔ کیونکہ ایسا کرنا اگرچہ قانونی طور پر جائز تو ہے مگر اخلاقی اعتبار سے یہ ایک معیوب بات ہوگی۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں ایک انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا مرد کو ہر حالت میں تحمّل، بُردباری اور دُور اندیشی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ اور اُسے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی عورت میں کچھ خامیاں ہوں تو اُس میں کچھ خوبیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے طلاق اور دوسری شادی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دوسری بیوی میں وہ خوبیاں موجود نہ ہوں جو پہلی بیوی میں موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس صبر و تحمل کے باعث اللہ تعالیٰ نے ایسے مرد کے لئے انجام کار بہت سی بھلائیاں رکھ چھوڑی ہوں، مثلاً صالح اولاد وغیرہ۔ لہٰذا عورت کے کسی فعل سے ناراض ہو کر جلد بازی میں کوئی اقدام کر بیٹھنا شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ بات ہے۔

اس طرح یہ آیتِ کریمہ مقصدِ نکاح پر بھی بخوبی روشنی ڈال رہی ہے کہ نکاح دراصل مرد اور عورت کے درمیان ہمیشگی اور دوامی صحبت کے طور پر ہونا چاہئے اور اس راہ کی مشکلات کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے۔ اور اس اعتبار سے یہ اسلامی معاشرت کی ایک بے نظیر اخلاقی تعلیم اور اُس کا ایک بیش قیمت اُصول ہے۔

۲۸۔ عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید

اسلام نے جس طرح قدم قدم پر عورتوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے پیش آنے اور اس کمزور مخلوق کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے کی سخت تاکید کی ہے، اُس کی نظیر دیگر مذاہب و قوانین میں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں جن سے قرآنی احکام کی مزید تشریح و تفسیر ہوتی ہے:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ: کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے۔ کیونکہ اگر وہ اُس کی کسی ایک عادت سے ناراض ہو تو اُس کی کسی دوسری عادت سے راضی ہوگا۔[۴۶]

وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ۔ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ۔ إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ: عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ کیونکہ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور اُس کا اوپری حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہے۔ (یعنی عورت زبان دراز ہوتی ہے)۔ لہٰذا اگر تم اُسے سیدھا کرنا چاہو تو اُسے توڑ دو گے۔[۴۷]

اس حدیث کی شرح خود ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ "عورت اپنے ٹیڑھے پن کی وجہ سے کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم کو اس سے فائدہ اُٹھانا ہے تو اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود (یعنی اُسے برداشت کرتے ہوئے) فائدہ اُٹھانا ہے۔ ورنہ اگر تم اُسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اُس کا ٹوٹنا طلاق ہے۔[۴۸]

یعنی عورت کبھی اور کسی حال میں سیدھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اُس کی فطرت کے مُطابق اُس میں کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن ضرور رہے گا۔ لہٰذا عقلمند مرد وہی ہے جو اُس کے اس ٹیڑھے پن کو برداشت کرتے ہوئے ایک خوش گوار اور کامیاب زندگی گزارنے کی کوشش کرے گا۔ ورنہ عورت کو "سیدھا" کرنے کی کوشش کے نتیجے میں وہ سررشتۂ حیات کھو دے گا اور سوائے محرومی اور پریشانی کے کوئی چیز ہاتھ نہ آئے گی۔ کیونکہ طلاق کسی مسئلے کا صحیح علاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو آخری چارۂ کار ہے جو کافی سوچ بچار اور اُس کے پورے نشیب و فراز پر غور و خوض کے بعد ہونا چاہئے۔ غرض عورت کی اس فطرت اور اُس کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو شخص زندگی گُزارے گا وہ بڑے مزے میں رہے گا۔

۲۹۔ عورت کو دی ہُوئی چیزیں واپس لینا ناجائز کیوں؟

بہرحال عورت کی کسی بُری عادت و خصلت یا اُس کی بے وفائی کے باعث آخری چارۂ کار کے طور پر نوبت اگر طلاق دینے کی آ ہی جائے اور مرد یہ مصمم ارادہ کرلے کہ ایسی ناکارہ عورت سے پیچھا چھڑا کر کسی دوسری

---

[۴۶] و [۴۷] و [۴۸] صحیح مسلم جلد دوم ص ۱۰۹۱، مطبوعہ ریاض

عورت سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوجانا ہی بہتر ہے تو پھر دوسری آیت (۲۰) کے مطابق اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کو دیا ہُوا مہر اور تحفے وغیرہ واپس لے لے۔ بلکہ ایسا کرنا ایک ناحق بات اور سخت گناہ کا باعث ہوگا۔ اور یہ بات اُس کی شرافت و مردانگی کے بھی خلاف ہوگی۔

اس قسم کی ناشائستہ حرکت کی وجہ آخری آیت (۲۱) میں بیان کرتے ہوئے اس قسم کے اقدام کی مذمت کی جارہی ہے کہ نکاح کے بعد جب عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کردیتی ہے اور وہ اُس سے لُطف اندوز ہوچکا ہے تو پھر پُورے مہر کی ادائیگی اُس کے ذمہ واجب ہوجاتی ہے۔ لہٰذا عورت سے تمتع کرنے کے بعد مہر کی واپسی کا مطالبہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور اسی طرح وہ تحفے تحائف بھی جو شوہر نے نکاح کے وقت یا اُس کے بعد اپنی بیوی کو دیئے تھے اُن کا واپس لینا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب چیزیں عورت کو دینے کے بعد عورت کی ملک ہوگئیں۔

نکاح کی مجلس میں دُولہا سے جو عہدو پیمان لیا جاتا ہے (کہ میں نے اتنے مہر کے عوض میں فلاں لڑکی سے نکاح منظور کیا) اُسے اِس موقع پر عورتوں کی طرف سے "پختہ عہد" کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ گویا کہ نکاح میں آنے والی عورتوں نے اپنے شوہروں سے از خود یہ عہدو پیمان لیا ہے۔ لہٰذا یہ ایفائے عہد مردوں کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کو توڑنا مرد کی شرافت اور اُس کی مردانگی کے خلاف ہے۔

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا قرآنِ مجید کو اسبابِ طلاق سے مطلقاً کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ وہ صورتِ واقعہ کو فرض کرکے کسی مسئلے کا صرف حکم بیان کردینے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہی بات یہاں پر (وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ : اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو.....) میں بھی کہی گئی ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کو اس اقدام پر مطلقاً کوئی اعتراض نہیں ہے۔ حالانکہ سیاقِ کلام کے اعتبار سے یہ درحقیقت ایک منطقی نتیجے کا جواب ہے، جو آیت ۱۹ سے شروع ہُوا تھا۔

۲۔ عدّت کے احکام و مسائل

(۳) وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ (بقرہ : ۲۲۸)

ترجمہ: اور طلاق دی ہُوئی عورتیں (بطورِ عدت) اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔ اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اُس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے، اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں (یعنی ایمان والی عورتوں کے لئے اپنے حمل کو چھپانا جائز نہیں ہے)۔ اور اُن کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ اس مدت میں اُن کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور معروف طریقے سے عورتوں کے حقوق بھی اسی طرح ہیں جس طرح کہ اُن کے فرائض، ہاں البتہ مردوں کو ان پر ایک گونہ فضیلت ہے۔ اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

شرعی احکام و مسائل

۳۰۔ طلاق والی عورت پر عدت کب نہیں ہے؟

جب کسی عورت پر طلاق واقع ہوچکی ہو تو اب شرعی طور پر سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا مطلقہ عورت سے مُباشرت کی جاچکی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کی گئی ہے اور اسی طرح خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہُوئی ہے (یعنی میاں بیوی تنہائی میں یکجا نہ ہُوئے ہوں، خواہ میاں نے بیوی کو ہاتھ لگایا ہو یا نہ لگایا ہو)، تو اس صورت میں عورت پر سرے سے کوئی عدت نہیں ہے۔ اس کا بیان ایک دوسری آیت (احزاب: ۴۹) میں کیا گیا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۱۔ طلاق والی عورت پر عدت کب واجب ہے؟

اب رہا معاملہ اُن مطلقہ عورتوں کا جن سے یا تو مباشرت کی جاچکی ہو یا خلوتِ صحیحہ واقع ہوچکی ہو، تو ایسی ہی عورتوں کا بیان زیرِ بحث آیت میں کرتے ہُوئے ان کی عدت کی تفصیل بیان کی جارہی ہے کہ وہ تین حیض پورے ہونے تک انتظار کریں (جب کہ وہ حیض والی ہوں، ورنہ اگر وہ غیر حیض والی ہوں تو ان کی عدت کا حساب دوسرا ہے، جس کی تفصیل آگے سورۂ طلاق کی آیات میں آرہی ہے)، تاکہ اگر انہیں

حمل ٹھہر گیا ہو تو وہ اس دوران ظاہر ہو جائے اور نطفہ مخلوط ہونے کی بنا پر نسب کے تعین میں کسی قسم کی گڑبڑ کا اندیشہ نہ رہ جائے۔ اور حمل کے ظہور کے لئے اتنی مدت کافی ہے۔

۴۲۔ مطلقہ عورتوں کو اپنا حمل چھپانا جائز نہیں ہے

چونکہ حیض اور حمل کے مسائل عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں کو ان کی اطلاع صرف عورتوں ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، اس لئے اس موقع پر عورتوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ ہر بات صاف صاف ظاہر کر دیں اور اس بارے میں کسی بھی قسم کے تساہل یا مصلحت آفرینی سے کام ہرگز نہ لیں، ورنہ اس سے اُن کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔[۴۹]

۴۳۔ مرد کے لئے رُجوع کا موقع کب تک باقی رہتا ہے؟

آیت زیرِ بحث میں بیان طلاق رَجعی کا ہو رہا ہے۔ یعنی جب کوئی مرد اپنی منکوحہ کو ایک یا دو طلاقیں دے دے تو اس سے نکاح فوری طور پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عدت ختم ہونے تک باقی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں مرد اگر اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے مطلقہ کو پھر سے اپنی بیوی بنانے پر راضی ہو جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اسے اس کا حق پوری طرح حاصل ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں (بعد میں واقع ہونے والی شرمندگی سے بچنے کے لئے) ضروری ہے کہ وہ خوب اچھی طرح غور و خوض کر کے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لے۔ اسی لئے شریعت نے اُس کی نظرِ ثانی کی پوری پوری گنجائش رکھی ہے۔ بلکہ اُس کے لئے ایک سُنہرا موقع فراہم کر دیا ہے کہ اگر اُس نے پہلے غصہ کی حالت میں یا کسی فوری جذبہ کی وجہ سے جلد بازی میں کوئی اقدام کر دیا تھا تو اب وہ رشتۂ ازدواج پوری طرح ٹوٹنے سے پہلے رُجوع کر لے تاکہ بعد میں اُسے پچھتانا نہ پڑے۔

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ طلاقِ رجعی (ایک یا دو طلاقیں دینے) کی صورت میں مدخولہ عورت کو (جس سے مباشرت کی جا چکی ہو) عدت ختم ہونے سے پہلے لوٹا لینے کا حق باقی رہتا ہے، چاہے عورت اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ طلاق دینے اور رُجوع کرنے کا اختیار شریعت نے صرف مرد کو عطا کیا ہے، عورت کو نہیں۔ اور اگر شوہر نے رُجوع نہیں کیا یہاں تک کہ مطلقہ کی عدت گزر گئی تو اب وہ اُس کے لئے

۴۹ ماخوذ از تفسیر قرطبی: ۱۱۸/۳

اجنبی بن چکی ہے اور اپنے معاملے کی آپ خود مختار ہے۔ پھر وہ اُس شخص کے لئے دوبارہ نئی منگنی، نئے نکاح و گواہ (اور نئے مہر) کے ساتھ حلال ہو سکتی ہے۔[۵۰]

۴۴۔ رَجعت کا طریقۂ کار کیا ہے؟

طلاق دی ہوئی عورت کو عدت کے دوران لوٹا لینے کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ آیا زبان سے کہنا ضروری ہے (کہ میں نے تجھے لوٹا لیا یا اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے لی) یا محض کسی فعل سے بھی رُجوع ثابت ہو سکتا ہے؟ تو اس بارے میں علماء کے دو مسلک ہیں: (۱) پہلا مسلک یہ ہے کہ رُجوع قولی طور پر ہونا ضروری ہے۔ (یعنی اپنی زبان سے کہنا چاہئے۔) اس کے بغیر رَجعت صحیح نہیں ہوگی۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ (۲) دوسرا مسلک یہ ہے کہ رُجوع قولی طور پر ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ مطلقہ (رجعیہ) سے مباشرت کر لے، یا اُس کا بوسہ لے لے، یا شہوت کے ساتھ اُسے چھو لے تو ان تمام صورتوں میں رجعت ثابت ہو جائے گی۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔[۵۱]

۴۵۔ کیا رَجعت کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے؟

نیز اس مسئلے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ رَجعت کے موقع پر قرآن مجید میں دو گواہ مقرر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ آیا واجب ہے یا محض مستحب؟ تو اس میں علماء کے دو گروہ ہو گئے ہیں: بعض کے نزدیک یہ حکم وُجوب کے لئے ہے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لئے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے وُجوب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر فُرقت (میاں بیوی کی جُدائی یعنی طلاق) کے لئے بھی یہ بات واجب ہوتی۔ حالانکہ خود قرآن کہتا ہے (وَفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ: بھلے طریقے سے انہیں جُدا کر دو) اور خود رجعت کے لئے دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے (فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ: مطلقہ عورتوں کو یا تو بھلے طریقے سے روک لو یا پھر انہیں بھلے طریقے سے چھوڑ دو)[۵۲] لہٰذا معلوم ہُوا کہ رجعت یا

۵۰ ماخوذ از تفسیر قرطبی: ۱۲۰/۳

۵۱ تفسیر مظہری: ۲۹۸/۱

۵۲ ایضاً ۲۹۸/۱ ـ ۲۹۹

رجعت کے لئے گواہ بنانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ بات چونکہ معاشرتی نقطۂ نظر سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس لئے اس کے مستحب ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

بہرحال تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عدت ختم ہو جانے کے بعد طلاق دینے والا شخص عورت سے یوں کہے کہ میں نے عدت کے دوران تجھ سے رجوع کر لیا تھا، مگر عورت اس سے انکار کرے تو اس صورت میں حلف کے ساتھ عورت کی بات سچ مانی جائے گی اور مرد کی بات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔[۵۳]

۳۶۔ عورتوں کے حقوق بھی مردوں ہی کی طرح ہیں

طلاق اور عدت کے مسائل کے ضمن میں یہاں پر ایک عام قاعدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں کے جس طرح فرائض ہیں اسی طرح اُن کے حقوق بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ اُن کے ذمہ محض فرائض و واجبات ہی ہوں اور اُن کا کوئی بنیادی حق ہی نہ ہو۔ ہاں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ضرور دی گئی ہے۔ کیونکہ مرد عورتوں کے نگران اور اُن کے قائد ہیں، جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر اس کی تصریح اس طرح کی گئی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا اَمْوَالِهِمْ : مرد عورتوں پر نگران ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے بھی کہ انہوں نے (مردوں نے عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے۔ (نساء: ۳۴)

عورتوں کے حقوق کے بارے میں حدیثوں میں کافی تاکید ملتی ہے: مثلاً:

ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے یوں فرمایا: تم جب کھاؤ تو اپنی عورت کو بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اُسے بھی پہناؤ۔ اُس کے مُنہ پر مت مارو۔ اُسے بُرا بھلا مت کہو۔ اور اگر (کسی وجہ سے) اُس کا بستر الگ کرو تو اپنے ہی گھر میں کرو[۵۴] یعنی اپنے گھر کے علاوہ اُسے کہیں اور نہ سُلاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

---

۵۳ تفسیر قرطبی: ۱۲۲/۳

۵۴ ابو داؤد کتاب النکاح ۶۰۶/۲، ابن ماجہ کتاب النکاح ۵۹۴/۱

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے اُنہیں اللہ کے امان میں لیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ (نکاح کے بول) کے ذریعہ حلال کر لیا ہے۔ تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اُن لوگوں کو نہ بٹھائیں جو تمہاری نظر میں ناپسندیدہ ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اُنہیں بطورِ سزا ہلکی مار مارو۔ اور اُن کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اُن کے کھانے اور کپڑے کا بہتر طریقے سے انتظام کرو۔[۵۵]

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے کامل درجے کا مومن وہ ہے جو بہترین اخلاق کا حامل ہو۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے ہوں۔[۵۶]

⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ (احزاب: ۴۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں چھونے (صحبت کرنے) سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہارے لئے اُن پر کوئی عدّت نہیں ہے کہ تم ان کی گنتی پوری کرنے لگو۔ لہٰذا انہیں کچھ تحفہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔

شرعی احکام و مسائل

۳۷۔ غیر مدخولہ عورت پر عدّت نہیں ہے

اُوپر مذکور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں اُن عورتوں کی عدّت کا بیان تھا جن سے نکاح کے بعد مباشرت کی جا چکی ہو۔ اب یہاں پر ایسی مطلقہ عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے نکاح کے بعد مباشرت یا خلوتِ صحیحہ واقع ہونے سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق ہو گئی ہو۔

یہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ مجید کو اس قسم کے مسائل میں اسباب و محرکات سے کوئی

---

۵۵ صحیح مسلم، بحوالہ تفسیر مظہری ۲۹۹/۱

۵۶ ترمذی، بحوالہ تفسیر مظہری ۲۹۹/۱

بحث نہیں ہے۔ چونکہ معاشرے میں ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں لہٰذا ان سے نپٹنے کے لئے ایک ابدی شریعت میں ان کا حل موجود رہنا ضروری ہے۔ ورنہ دینِ الٰہی کی ابدیت پر حرف آسکتا ہے۔ اس لئے شریعت کے ابدی نصوص میں ہر اہم مسئلے کی وضاحت بطورِ مثال کر دی گئی ہے۔

غرض وہ مطلقہ عورت جس کو ہاتھ نہ لگایا گیا ہو، اُس پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے۔ اور یہ بات قرآنِ مجید کی تصریح اور اُمت کے اجماع (متفقہ فیصلے) سے ثابت ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اُمت کا اجماع ہے کہ وہ منکوحہ جسے ہاتھ لگایا جا چکا ہو اُس پر عدت واجب ہے۔[۵۷]

۳۸۔ مُطلّقہ غیر مدخولہ کو کچھ تحفہ دینا چاہیئے

اس آیتِ کریمہ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی عورتوں کو جن کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق ہو جائے تو ان کی دلجوئی کی غرض سے اُنہیں کچھ چیزیں بطورِ تحفہ دینا چاہیئے تاکہ اُن کی جو دل شکنی ہوئی ہے اُس کا ایک حد تک ازالہ ہو جائے۔ ایسے تحفے کو اسلامی اصطلاح میں "مُتعۂ طلاق" یعنی طلاق کا تحفہ کہا جاتا ہے۔ اکثر علماء کا کہنا یہ ہے کہ تحفۂ طلاق ہر قسم کی مطلّقہ عورتوں کو دینا بہتر (مُستحب) ہے، جب کہ وہ صرف ایک مطلّقہ کے لئے واجب ہے۔ یعنی وہ مطلّقہ جس کا مہر پہلے سے مقرّر نہ ہو اور اُسے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دی جا چکی ہو۔ اس مسئلے کی تفصیل اُوپر مذکور سورۂ بقرہ کی آیات ۲۳۶ ـ ۲۳۷ کے تحت پیش کی جا چکی ہے۔

(۶) یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِہِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ۚ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا (۱) فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَہُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْہِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّہَادَۃَ لِلّٰہِ ۚ ذٰلِکُمْ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا (۲)

[۵۷] تفسیر قرطبی ۱۴/۲۰۲

وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ ۚ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۳) وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْہُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ۚ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَہُنَّ ۚ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا (۴) ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ اَنْزَلَہٗٓ اِلَیْکُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا (۵) اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْہِنَّ ۚ وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْہِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَہُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَہُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَہٗٓ اُخْرٰی (۶) لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَۃٍ مِّنْ سَعَتِہٖ ۚ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىہُ اللّٰہُ ۚ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىہَا ۚ سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۔ (۷)

ترجمہ: اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے وقت (گنتی کے شروع میں) طلاق دو اور (ٹھیک حساب کے لئے) عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو (اُن کے رہنے کے) گھروں سے مت نکالو، اور وہ خود بھی نہ نکلیں، مگر ہاں جب وہ کُھلّم کُھلّا کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں (احکام و ضوابط) ہیں (تو اب) جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا تو اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تمہیں کیا معلوم، ہو سکتا ہے کہ اللہ (طلاق دینے کے بعد تمہارے دل میں) کوئی نئی بات پیدا کر دے (۱)۔ پھر جب مطلّقہ عورتیں اپنی عدت (گزرنے کے قریب) پہنچ جائیں تو پھر انہیں یا تو قاعدے سے رکھ لو یا قاعدے کے مطابق انہیں جُدا کر دو۔ اور اس پر اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لئے (اُس کا لحاظ کرتے ہوئے) گواہی ٹھیک ٹھیک دو۔ یہ بات بطورِ نصیحت اُن سے کہی جا رہی ہے جو اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہوں۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کے لئے بچاؤ کا راستہ نکال دے گا۔ (۲)۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اُس کے لئے کافی ہوگا۔ یقیناً اللہ اپنی بات پوری کر کے رہے گا۔ اللہ نے ہر چیز کا ایک (طبیعی و شرعی) ضابطہ مقرر کر دیا ہے (۳)۔ اور تمہاری وہ عورتیں

جن کو حیض کی اُمید نہ رہی ہو، اگر تمہیں (اُن کے بارے میں) شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے، اور ان کی بھی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت، اُن کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اُس کے کام کو آسان کر دے گا (۴)۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تم پر اُتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کی بُرائیوں کو دُور کر دے گا اور اُس کے لئے اجر بھی بڑا دے گا (۵)۔ طلاق دی ہوئی عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔ اور (عدت کے دوران) انہیں تنگ کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دو۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو انہیں خرچہ دو جب تک کہ اُن کا حمل وضع نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ (عدت کے بعد تمہارے بچوں کو) دُودھ پلائیں تو ان کی اُجرت انہیں دے دو۔ اور آپس میں شائستہ طریقے سے مشورہ کر لو۔ اور اگر تم (اُجرت مقرر کرنے کے معاملے میں) آپس میں تنگی کرنے لگ جاؤ تو اُس وقت کوئی دوسری عورت دُودھ پلائے گی (۶)۔ مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق خرچ کرے، اور جو تنگ دست ہے وہ وہی خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا، مگر اتنی ہی جتنی کہ اُس نے دے رکھی ہے۔ عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔ (۷) سورۂ طلاق

شرعی احکام و مسائل

۳۹۔ طلاق کا سُنت طریقہ کیا ہے؟

پہلی آیت میں خطاب لفظاً اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر وہ عام ہے اور مُراد پوری اُمت ہے۔[۵۸]

"طلاق عدت کے وقت دو۔" اس کا مطلب جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ طلاق عورت کی پاکی کی حالت (طُہر) میں دی جائے۔ کیونکہ حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا حرام ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے اور حکم دیا کہ وہ اس طلاق کو واپس لے لیں پھر طُہر کی حالت میں دوبارہ طلاق دیں، اگر دینا ضروری ہو۔ نیز آپ نے ابنِ عمرؓ سے مزید فرمایا کہ اللہ نے عورتوں کو اس طرح طلاق دینے کا حکم

[۵۸] تفسیر روح المعانی ۲۸/۱۲۸، تفسیر مظہری ۹/۳۱۷

نہیں دیا ہے اور تم نے طلاق کے سُنت طریقے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

اس معنی کی کئی حدیثیں صحاحِ ستہ (حدیث کی چھ صحیح کتابیں) اور دیگر کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، جن میں خود ابنِ عمرؓ نے اس آیتِ کریمہ کی توجیہہ اس طرح کی ہے:

طَلِّقُوْهُنَّ فِیْ عِدَّتِهِنَّ۔ أَیْ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ : تم انہیں عدت میں طلاق دو، یعنی ایسے وقت میں جب کہ عدت (گنتی) شروع ہوتی ہے اور وہ طُہر کی حالت ہے۔[۵۹]

فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ۔ وقال السیوطی : أَیْ إِقْبَالُهَا وَأَوَّلُهَا وَحِیْنَ یُمْکِنُهَا الدُّخُوْلُ فِیْهَا وَالشُّرُوْعُ ، وَذٰلِكَ حَالُ الطُّهْرِ[۶۰] علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس سے مُراد عدت کا شروع اور اول حصہ ہے جس میں عورت سے صُحبت ممکن ہوتی ہے۔ اور وہ طُہر کی حالت ہے۔ مطلب یہ کہ طُہر کی حالت سے عدت کا آغاز ہوتا ہے، یعنی عورت کی گنتی شروع ہوتی ہے، لہٰذا طلاق طُہر کی حالت میں ہونی چاہئے۔ مگر اس سلسلے میں دوسری شرط یہ ہے کہ مرد جس طُہر میں طلاق دے رہا ہے اُس میں وہ عورت سے صحبت نہ کرے، ورنہ ایسی طلاق بھی "بدعت" ہونے کی بنا پر حرام ہوگی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے : اَلطَّلَاقُ لِلْعِدَّةِ اَنْ یُّطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ وَهِیَ طَاهِرٌ فِیْ غَیْرِ جِمَاعٍ : عدت کے وقت طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو پاکی کی حالت میں بغیر صحبت کئے طلاق دے۔[۶۱]

غرض علماء کا اس پر اجماع (اتفاق) ہے کہ حائضہ (حیض والی عورت) کو ایسی پاکی کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے جس میں وہ بیوی سے مباشرت کر چکا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[۶۲] جیسا کہ یہ بات حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت کی ہوئی حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے۔

[۵۹] شرح معانی الآثار (طحاوی) ۲/۳۳، مطبوعہ کراچی

[۶۰] شرح نسائی، از علامہ سیوطی ۶/۱۳۹، مطبوعہ بیروت

[۶۱] کتاب السُنن، سعید بن منصور، ۱/۲۵۶، مجلسِ علمی ڈابھیل (سورت)

[۶۲] تفسیر مظہری ۹/۳۱۸

اوپر کا مسئلہ اُس مطلّقہ حائضہ (حیض والی) سے متعلق ہے جس سے مباشرت کی جا چکی ہو۔ اس کے برعکس وہ مطلّقہ حائضہ جس سے مباشرت نہ کی گئی ہو، اُسے طُہر اور حیض دونوں حالتوں میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ نیز اسی طرح نابالغ بیوی جس کو حیض بالکل ہی نہ آتا ہو اُسے بھی جب چاہے طلاق دی جاسکتی ہے۔ اور اسی طرح آئسہ (عمر رسیدہ عورت جسے حیض ہی نہ آتا ہو) اُسے مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔[۶۳]

۴۰۔ طلاق کے چند اہم ضوابط

سُنن دارقطنی میں حضرت ابنِ عباس رضؓ سے روایت ہے کہ طلاق کی (وقت کے اعتبار سے) چار صُورتیں ہیں، جن میں سے دو حلال اور دو حرام ہیں۔ حلال اس صورت میں ہوگی جب کہ عورت: (۱) طاہر ہو یعنی حیض کی حالت میں نہ ہو، نیز اُس طُہر میں عورت سے مُباشرت بھی نہ کی ہو (۲) یا وہ حاملہ ہو اور اُس کا حمل پوری طرح ظاہر ہو چکا ہو۔

اور طلاق کے حرام ہونے کی دو صورتیں یہ ہیں: (۱) عورت حیض کی حالت میں ہو۔ (۲) یا ایسے طُہر کی حالت میں ہو جس میں اُس سے مُباشرت بھی کر چکا ہو، اور اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ حمل ٹھہر گیا ہے یا نہیں؟[۶۴] مطلب یہ کہ جب یہ بات وُثوق سے معلوم ہو جائے کہ عورت کو حمل ٹھہر گیا ہے تو اُس وقت اُسے صحبت کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حاملہ عورت حیض کی حالت میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس میں طلاقِ بدعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

"عدّت گنتے رہو" یعنی جب طلاق واقع ہو جائے تو فوراً اس بات کی تحقیق کرلو کہ طلاق کس حالت میں ہوئی ہے اور طُہر کب شروع ہُوا ہے؟ پھر اس کے بعد ٹھیک ٹھیک حساب رکھتے ہوئے تین مکمل حیض شمار کرلو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ رجعت (شوہر کا رُجوع کرنا) عدّت ختم ہونے کے بعد ہو (جب کہ شوہر تاخیر سے رُجوع کرتا ہو)، یا دوسرا نکاح غلطی سے عدّت ختم ہونے سے پہلے ہی ہو جائے۔ اور یہ دونوں

---

[۶۳] تفسیر مظہری ۹/ ۳۱۸

[۶۴] تفسیر قُرطبی ۱۸/ ۱۵۱

باتیں شریعت کی رُو سے جائز نہیں ہیں۔[۶۵]

۴۱۔ عدت شوہر کے گھر میں گزارنا واجب ہے

"اور تم مطلّقہ عورتوں کو اُن کے گھروں سے مت نکالو" مطلّقہ عورت کو خواہ اُسے طلاقِ رَجعی دی گئی ہو یا طلاقِ بائن، کسی بھی صورت میں طلاق کے فوراً بعد گھروں سے نہیں نکالنا چاہئے (جیسا کہ آج کل کے جُہلاء کا طریقہ ہے اور ایسا کرنا بالکل حرام ہے) شریعت نے واجب قرار دیا ہے کہ مطلّقہ عورتیں اپنی عدّت شوہروں کے گھروں میں، یا جس مقام پر اُن کی مُستقل بود و باش رہتی ہو، وہیں پر گزاریں۔ کیونکہ طلاق رجعی ہونے کی صورت میں شوہر کو رُجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے اور بائن ہونے کی صُورت میں عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور یہ دونوں فوائد عورت کے اخراج کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ اس کے برعکس بہت سی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ان تمام خرابیوں کو دُور کرنے کی غرض سے شریعت نے عدت مرد کے گھر میں گزارنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ طلاق والی عورت شوہر کے بعض حقوق کی خاطر عدت کے ایام میں شوہر کے گھر میں مقیم رہتی ہے، اس لحاظ سے اس کے شوہر کا گھر گویا کہ اُس کا "اپنا ہی گھر" ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تاکید کر رہا ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے تک انہیں "اپنے گھروں" سے مت نکالو۔

" اور طلاق یافتہ عورتیں خود بھی باہر نہ نکلیں" یعنی مطلّقہ عورتیں خود بھی اپنے اختیار سے شوہروں کے گھروں سے باہر نہ نکلیں، چاہے اُنہیں طلاقِ رجعی دی گئی ہو یا بائن۔ ہاں اگر کسی ضرورت (مجبوری) کے تحت ہو تو جائز ہے۔ مثلاً جس گھر میں وہ رہتی ہوں اُس کے منہدم ہو جانے کا خطرہ ہو، یا چوری کا خوف ہو، یا مکان کا کرایہ نہ ہو، یا جگہ کی تنگی ہو، یا شوہر فاسق اور طلاق بائن ہو اور ان دونوں کے درمیان حائل ہونے والا کوئی قادر شخص موجود نہ ہو۔ وغیرہ۔[۶۶]

"ہاں اگر مطلّقہ عورتیں کسی کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اور بات ہے" یعنی کسی طلاق یافتہ عورت کو عدت کے دوران شوہر کے گھر سے باہر نکالنا صرف اُس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ اُس سے کوئی

---

[۶۵] ماخوذ از تفسیرِ مظہری ۹/ ۳۱۸

[۶۶] تفسیر مظہری ۹/ ۳۱۸

کھلی ہوئی بے حیائی سرزد ہو جائے۔ کھلی ہوئی بے حیائی سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی تفسیر میں کئی باتیں منقول ہیں۔ مثلاً: زنا، زبان درازی، چوری، نافرمانی یا بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا وغیرہ۔[۶۷]

۴۲۔ طلاقِ رجعی میں ندامت نہیں ہوتی

"تمہیں کیا معلوم، ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے"۔ یعنی دلوں کو بدل دے، کیونکہ وہ مقلب القلوب ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس دوران عورت کے ساتھ بغض کو محبت میں بدل دے جس کے باعث وہ رجوع کر کے مطلقہ کو پھر سے بیوی بنانے پر راضی ہو جائے۔ اس میں تعلیم ہے کہ بیوی کو ہر حال میں طلاقِ رجعی دی جائے۔ ورنہ بیک وقت تین طلاق داغ دینے کے بعد تلافیٔ مافات کی اُمید ہی نہیں رہ جاتی، سوائے حلالے کے جو ایک معیوب بات ہے۔[۶۸]

۴۳۔ عدت میں ہیرپھیر کرنا جائز نہیں ہے

"جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو پھر انہیں یا تو قاعدے سے رکھ لو یا قاعدے کے مطابق جُدا کر دو"۔ (آیت ۲)۔ مطلب یہ کہ جب عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو گویا کہ اب جدائی کا وقت قریب آگیا ہے۔ لہٰذا ایسے فیصلہ کن موقع پر مرد کو چاہئے کہ وہ وقتی جذبات و کیفیات کو ترک کر کے کسی قطعی فیصلے تک پہنچ جائے۔ اور اس وقت اُس کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: (۱) یا تو وہ سیدھے طریقے سے رجوع کر لے اور مطلقہ کو پھر سے اپنی بیوی بنا کر رکھ لے (۲) یا پھر شرافت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ اُسے رخصت کر دے۔ مگر اُس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کوئی حرکت کر بیٹھے۔ مثلاً رجوع تو کر لیا مگر اُسے خواہ مخواہ تنگ کرنے کی غرض سے دوبارہ طلاق دے دی۔ یا عدت گزرنے کے بعد (یا اُس سے پہلے) اُسے ذلیل و خوار کر کے گھر سے نکالا وغیرہ۔ بلکہ اسے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رخصتی کے وقت بطورِ تحفہ کچھ چیزیں دے کر باوقار طریقے سے رخصت کرنا چاہئے۔[۶۹]

---

۶۷ خلاصہ از تفسیر قرطبی ۱۸/۱۵۶
۶۸ ایضاً (ماخوذ)
۶۹ خلاصۂ تفاسیر

۴۴۔ رجعت میں گواہ بنانا واجب کیوں نہیں ہے؟

"اور اس پر اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بناؤ"۔ (آیت ۲)۔ اکثر علماء کے نزدیک رجعت کے لئے گواہ بنانا مستحب ہے واجب نہیں[۷۰] چونکہ طلاق دینے کی صورت میں گواہ بنانا متفقہ طور پر واجب نہیں ہے، لہٰذا وہ رجعت کے لئے بھی واجب نہیں ہونا چاہئے۔[۷۱] لیکن چونکہ بعض صورتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، اس لئے ایسی حالت میں دو معتبر مسلمانوں کو گواہ بنا لینا زیادہ بہتر ہے، تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔

۴۵۔ طلاق غصہ اُتارنے کی چیز نہیں ہے

"جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نکال دے گا۔ (آیت ۲)۔

اس میں یہ اخلاقی تعلیم دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کو معمولی یا غیر معمولی کسی بھی حال میں حسنِ اخلاق اور حسنِ معاشرت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ ہر حال میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت ہونا چاہئے۔ کسی واقعہ یا کسی بات پر اُسے اس قدر مشتعل نہیں ہو جانا چاہئے کہ وہ عقل و حواس کھو کر جذبات کا غلام بن جائے اور اپنی رفیقۂ حیات کو بیک وقت تین طلاق دینے کی حماقت کر بیٹھے۔ کیونکہ اول تو طلاق بجائے خود کوئی غصہ نکالنے والی چیز یا انتقامی کاروائی نہیں ہے، بلکہ وہ شدید مجبوری کی حالت میں میاں بیوی کو جدا کرنے کا آخری چارۂ کار اور آخری فارمولا ہے۔ لہٰذا جو چیز آخری فارمولا اور آخری حل ہو اُسے پہلے ہی مرحلے میں استعمال کر بیٹھنا ایک غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ اور پھر بیک وقت تین طلاق دینا تو ملاپ کے سارے دروازے خود ہی بند کر لینا ہے۔ بہرحال اللہ نے جس چیز کو باندھا ہے اُسے توڑتے وقت کسی کے دل میں اگر واقعی خدا کا ڈر ہو تو وہ ایسا انتہائی قدم ہرگز نہیں اُٹھائے گا۔ اور اگر اٹھائے گا تو شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندر اُٹھائے گا۔ لہٰذا خوفِ خدا کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی شخص بیک وقت تین طلاق دے کر انتہائی قدم نہ اٹھائے اور اپنے آپ پر ظلم نہ کرے، بلکہ مسنون طریقے کے مطابق صرف

---

۷۰ تفسیر قرطبی ۱۸/۱۵۸
۷۱ ماخوذ از تفسیر مظہری ۹/۳۲۰

ایک طلاق دے۔ اس صورت میں دوبارہ ملاپ کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ اور اگر اللہ چاہے گا تو ملاپ کا کوئی راستہ نکال دے گا۔

اس آیتِ کریمہ کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی کو طلاق دینا اشد ضروری ہو جائے تو اس صورت میں وہ صرف ایک طلاق دے، تاکہ دوبارہ ملاپ کا دروازہ بند نہ ہو۔

۴۶۔ تین طلاق کا ثبوت قرآن سے

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ (جو شخص اللہ سے ڈرے گا.....) طلاق کے ساتھ خاص ہے[۴۲] چنانچہ ابو داؤد میں مجاہد سے روایت ہے کہ ایک شخص ابنِ عباسؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ (لہٰذا اس بارے میں آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟) راوی حدیث کہتے ہیں کہ آپ (کچھ دیر) خاموش رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ آپ اس کی بیوی کو لوٹا دیں گے۔ (مگر) آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے، پھر کہنے لگتا ہے کہ اے ابن عباس! اے ابنِ عباس! (تو تم اچھی طرح کان کھول کر سن لو) اللہ نے فرمایا ہے: "جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اُس کے لئے بچاؤ کا راستہ نکال دے گا۔" مگر تم اللہ سے نہیں ڈرے۔ (بلکہ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کی) لہٰذا میں تمہارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جُدا ہو گئی۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے: (یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ)[۴۳] اے نبی جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو اُن کی عدت کے موقع پر (یعنی گنتی کے شروع میں طلاق دو)۔

بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے پر یہ ایک قطعی اور مُسکت دلیل ہے، جس میں کسی قسم کے قیل وقال کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر اس طرح کرنا سخت گناہ کی بات ہے، کیونکہ وہ خُدا کی نافرمانی کا باعث ہے۔ ایک مُسلمان جسے خُدا اور آخرت کا خوف ہو اُس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ سُنتِ رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیک وقت تین طلاق دے کر نہ صرف دینی و شرعی اعتبار سے گنہگار ہو

۴۲۔ تفسیر قرطبی ۱۸/۱۵۹
۴۳۔ سنن ابو داؤد ۲/۶۴۷

بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی مصیبت مول لے۔ کیونکہ اس قسم کا سخت اقدام اکثر و بیشتر فسادِ معاشرت اور فسادِ تمدن کا باعث بنتا ہے۔ اور اس سے معاشرے میں مرد کی بڑی سُبکی و رسوائی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس قسم کا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہئے اور طلاق کو کسی بھی صورت میں ایک کھیل یا مذاق نہیں بنانا چاہئے۔

۴۷۔ مختلف عورتوں کی عدت مختلف ہے

اوپر مذکور آیات ۱۔۳ میں بیان حیض والی عورتوں کا چل رہا تھا۔ اور اب آیت ۴ میں اُن عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن کو حیض نہیں آتا۔ اور ان میں تین قسم کی عورتیں شامل ہیں: (۱) عمر رسیدہ یا وہ عورتیں جن کو کسی علّت کی بنا پر حیض نہ آتا ہو۔ (۲) نابالغ لڑکیاں۔ (۳) حاملہ عورتیں۔ تو پہلی دو قسم کی عورتوں کی عدت تین قمری مہینے ہے۔ اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اس طرح منطقی اعتبار سے ان آیات میں ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کی عدت بیان کر دی گئی ہے۔

۴۸۔ کم سن لڑکی کا نکاح جائز ہے

نیز اس آیت (۴) کی رُو سے ایک اور ضمنی مسئلہ یہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کی رُو سے کم سن یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح بالکل درست ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ایسی لڑکیوں کی عدت کا بیان موجود ہے جن کو ابھی حیض نہ آتا ہو۔ (وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ) اور ایسی لڑکیاں عدت تبھی گزار سکتی ہیں، جب کہ ان کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے ہو چکا ہو۔ اسی حکمِ الٰہی کو ثابت کرنے کے لئے غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کم سنی کی حالت میں کیا تھا، جیسا کہ صحاحِ ستہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور فقہاء نے اس حکمِ الٰہی اور سُنتِ رسول کے پیشِ نظر اس باب میں تفصیلی مسائل و ضوابط وضع کئے ہیں۔

۴۹۔ مُطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران جائے رہائش

"مُطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کی غرض سے تکلیف نہ دو۔" یعنی عدت کے دوران ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق طلاق شدہ عورت کو رہنے کی جگہ (مسکن) اور دیگر آسائشیں فراہم کرے اور مُطلقہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، نہ زبانی و قولی طور پر طعن و

تشنیع کرکے اور نہ ہی ان کی ضروریات فراہم کرنے میں تنگی کرکے۔ بلکہ جس طرح ایک رخصت ہونے والے مہمان کا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے اسی طرح مطلقہ عورتوں کو بھی اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کی مہمان نوازی کرکے انہیں رخصت کرنا چاہئے۔ اور معاملے کو اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں حسنِ اخلاق کی مستحق ہیں۔

اس سلسلے میں ایک ضروری مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ بائنہ ہے (چاہے اُسے ایک طلاق دی گئی ہو یا تین) تو اب چونکہ نکاح ٹوٹ چکا ہے اس لئے ایسی عورت کو عدت کے دوران اپنے سابق شوہر سے پردہ کرنا چاہئے۔ ہاں اگر طلاق رجعی ہے تو پھر پردہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نکاح ابھی باقی ہے۔[۷۴]

۵۰ ۔ مُطلقہ عورتوں کو نفقۂ عدت دیا جائے

"اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو انہیں نفقہ (خرچہ) اُس وقت تک دیتے رہو جب تک کہ اُن کا حمل وضع نہ ہو جائے" (آیت ۶)۔ چنانچہ پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل والی مطلقہ کا نفقہ اور مَسکن (جائے رہائش) وضعِ حمل تک طلاق دینے والے شخص کے ذمہ واجب ہے۔ اسی طرح جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کا نفقہ و مَسکن بھی باتفاقِ اُمت واجب ہے۔ اب رہی وہ مطلقہ جس کو طلاقِ بائن دی گئی ہو، یا جسے تین طلاق دی گئی ہو، یا جس نے خُلع حاصل کر لیا ہو، تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ ایسی مطلقہ عورتوں کو بھی نفقہ اور جائے رہائش عدت کے دوران مل سکتے ہیں یا نہیں؟ تو حنفی مسلک کے مطابق ہر قسم کی طلاق والیوں کے لئے نفقہ اور جائے رہائش ضروری واجب ہے۔[۷۵]

۵۱ ۔ دودھ پلائی کی اُجرت کب ضروری ہوگی؟

"پھر اگر وہ تمہارے (بچوں) کے لئے دُودھ پلائیں تو تم اُنہیں اُن کا معاوضہ دے دو" (آیت ۶)۔ اس خُدائی حکم سے صاف صاف اس حقیقت پر روشنی پڑ گئی کہ وضعِ حمل سے پہلے میاں بیوی کے درمیان جو "تھوڑا بہت" رشتہ باقی تھا وہ بھی پوری طرح ٹوٹ چکا ہے۔ اور اب مطلقہ عورت عدت

[۷۴] و [۷۵] ماخوذ از تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۸/۴۸۹ ۔ ۴۹۰

گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے کے لئے بالکل اجنبی بن چکی ہے[۷۶] اور بچے کو دودھ پلائی کی اُجرت دینا اس کی واضح دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ رشتۂ نکاح باقی ہونے کی صورت میں دودھ پلائی کی اُجرت دینا ایک بے معنی بات ہے۔ کیونکہ شریعت میں ایک ایسے کام کے لئے جو شرعی اعتبار سے بطور فریضہ عائد ہوتا ہو اُس پر کسی قسم کا معاوضہ یا اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔[۷۷] نتیجہ یہ کہ موجودہ دور میں جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد بھی اسلامی شریعت کی رُو سے مرد اور عورت بالکل اجنبی نہیں بن جاتے، یا عدت گزر جانے کے بعد بھی مرد کے ذمہ نفقہ دینا ضروری ہے جیسا کہ مغربی قوانین میں رواج ہے وغیرہ، تو اس قسم کے دعوے غلط اور بے بنیاد ہیں، جو اسلامی شریعت کے خلاف ہیں۔[۷۸]

۵۲ ۔ بچے کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا

آخری آیت (۷) سے دو اہم مسئلے ثابت ہوتے ہیں جو یہ ہیں: (۱) نفقہ مرد کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ یعنی شوہر اگر امیر ہے تو بیوی کو بھی امیرانہ نفقہ ملے گا۔ اور اگر غریب ہے تو بیوی کو غریبانہ طور پر نفقہ ملے گا، خواہ بیوی کی حالت کیسی ہی ہو۔[۷۹] (۲) بچے کا نفقہ باپ پر عائد ہوتا ہے ماں پر نہیں۔[۸۰]

۵۳ ۔ مُسلمان احکامِ الٰہی سے رُوگردانی نہ کریں

ان آیات میں جگہ جگہ اللہ سے ڈرنے اور اُس کی حکم عدولی سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ چونکہ طلاق و عدت کا معاملہ ایسا ہے جس میں عام طور پر بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور آدمی اکثر و بیشتر ہٹ دھرمی پر اُتر آتا ہے۔ اس لئے موقع کی مناسبت سے بڑے بلیغ اور کھرے کھرے انداز میں لوگوں کو مُتنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کے معاملات میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اور روزِ جزا کا لحاظ کرتے ہوئے باہم ظلم و زیادتی کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آنے سے باز آئیں۔ نیز اسی طرح جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

[۷۶] و [۷۷] دیکھئے ہدایہ (اَوّلین) ص ۴۲۴ ۔ ۴۲۵

[۷۸] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے راقم سطور کی کتاب "شریعتِ اسلامیہ کی جنگ: نفقۂ مطلقہ کی روشنی میں" دیکھنی چاہئے۔

[۷۹] تفسیر مظہری ۹/۳۳۱

[۸۰] تفسیر قرطبی ۱۸/۱۶۷

ہوئے مطلقہ عورتوں کے ساتھ شریفانہ رویہ اختیار کریں گے اور خدا کی تلقین کے مطابق اُن کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے رزق کو کشادہ بھی کرے گا اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے بہتر سے بہتر حل بھی نکالے گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو کسی بھی صورت میں احکامِ الٰہی سے روگردانی کرتے ہوئے تہذیب و اخلاق اور شرافت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اس اعتبار سے یہ ہدایتیں شرعی احکام اور اخلاقی ضوابط دونوں پر مشتمل ایک بہترین مجموعہ اور بہترین گلدستۂ حیات کی حیثیت رکھتی ہیں، جن پر عمل کر کے مسلمان دین و دنیا دونوں کی سعادتوں سے مالامال ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ تمام مخلوقات کا خالق اور پروردگار ہے، اس لئے اس کے احکام ہر مخلوق اور ہر انسان کے مناسبِ حال ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی مخلوقات کی فطرت اور ان کی ساخت سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ ہر مخلوق اور ہر انسان کو اُس کی فطرت اور اُس کی ساخت کے مطابق احکام دیتا ہے۔ اور کسی پر ضرورت سے زائد بوجھ نہیں ڈالتا، جیسا کہ زیرِ نظر آیات میں سے آخری آیت اس مسئلے پر روشنی ڈال رہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خالق اور رب (پروردگار) تسلیم کرنے کا تقاضا ہے کہ اس کے حکموں پر بے چوں و چرا عمل کیا جائے۔ اور کسی بھی حال میں اُس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ ورنہ حکم عدولی کی صورت میں نافرمانوں کا انجام بہت برا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اسی سورۂ طلاق کی مابعد کی آیات (۸ - ۱۱) میں اس کا بیان ہے کہ سرکش لوگوں کا انجام بہت برا ہو سکتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اُس کے حکموں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

طلاق اور عدّت کے چند اہم مسائل

حدیث کی روشنی میں

حدیثِ رسول کی شرعی حیثیت و اہمیت

اسلامی شریعت کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے اور دوسرا ماخذ حدیث شریف۔ اور یہ دونوں بنیادی ماخذ مسلمانوں کے لئے ہر صورت میں قابلِ حجت ہیں۔ قرآن اور حدیث سے جو حکم قطعی طور پر ثابت ہو جائے اُس میں کسی مسلمان کے لئے چون و چرا کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ مگر ان دونوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی باتیں مجمل اور مختصر طور پر مذکور ہیں، جن کی شرح و تفصیل حدیثوں میں کی گئی ہے۔ اور یہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حیثیت سے بھی موجود ہیں اور اُن واقعات کی شکل میں بھی جو دورِ رسالت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے صحابہ کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اور ان واقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اقتضا کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ گویا کہ آپ نے صحابۂ کرام کو عملی زندگی میں قرآن مجید کو لاگو کرنے اور اس کے مقاصد کے مطابق فیصلہ کرنے کی تربیت دی تھی۔ اس اعتبار سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل ہر مسلمان کے لئے قابلِ حجت ہے اور ان کے ملاحظہ سے گویا کہ قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہمارے سامنے آتی ہے۔

بہرحال حدیث شریف کے قوانین بہت واضح ہیں۔ مگر چونکہ ان کی عملی تطبیق مختلف اوقات میں ہوئی ہے لہٰذا کہیں کہیں کچھ ظاہری اختلاف بھی نظر آتا ہے، جو زیادہ تر فروعی امور و مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ مگر یہ اختلاف اُمت کے لئے مجموعی حیثیت سے چنداں مضر نہیں ہے۔ بلکہ ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو اس میں عملی طور پر وسعت نظر آتی ہے۔ گنتی کے صرف چند مسائل ایسے ہیں جہاں پر جائز و ناجائز کی بحث پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انہی معدودے چند مسائل میں تین طلاق کا مسئلہ بھی ہے، جس نے موجودہ دور میں سخت اختلافی شکل اختیار کر لی ہے۔

اور بعض لوگ اس سلسلے میں اپنے مسلک سے مطابقت رکھنے والی صرف ایک یا دو حدیثوں کو صحیح مان کر بقیہ تمام حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں. حالانکہ یہ حدیثیں "صحاح ستہ" یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ کی ہیں، جو حدیثِ رسول کی مستند ترین کتابیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ روش نہ صرف دین سے بے اعتباری اور انکارِ حدیث کے رُجحان کو تقویت پہنچاتی ہے بلکہ صحابۂ کرام کے عمل اور ان کے فہم و فراست کو بھی مشتبہ اور ناقابلِ حجت بنا دیتی ہے اور صحابۂ کرام کے عمل کو مشتبہ یا ناقابلِ عمل بنانے کا منطقی نتیجہ ظاہر ہے کہ پورے دین سے بے اعتباری کی شکل میں نمودار ہوگا اور ایک خطرناک قسم کی تشکیک پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ دین کے بہت سے احکام و مسائل صحابۂ کرام کے قول و فہم اور اُن کے عمل سے تعلق رکھتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست تربیت یافتہ تھے۔ لہٰذا ان کی سُنّت اور اُن کے فتاویٰ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہمارے سامنے حدیث کے جو مختلف مجموعے موجود ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے علاوہ صحابۂ کرام کے فتاویٰ اور اُن کے افعال و اعمال بھی مذکور و موجود ہیں۔ اور فقہائے کرام نے انہی بھی فقہ کی ایک بنیاد قرار دیتے ہُوئے اپنے قیاس پر صحابۂ کرام کے فتاویٰ کو مقدم رکھا ہے، جو ایک صحیح اور درست اُصول ہے۔ کیونکہ سُنّتِ رسول کی طرح صحابہ کا قول و عمل بھی حُجّت ہے۔ اس اعتبار سے فہم و تدبّر کا صحیح تقاضا ہے کہ کسی ایک حدیث کا انکار کئے بغیر تمام حدیثوں کو ایک وسیع چوکھٹے کے اندر فٹ کر کے ان کے باہمی اور ظاہری تعارض و تضاد کو دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ہر حدیث کو اُس کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔ ورنہ سر رشتۂ حیات ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور سوائے ناکامی اور برگشتگی کے اور کوئی چیز ہاتھ نہ آسکے گی۔

غرض اس باب میں جو مختلف حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں وہ اسی مقصد کے تحت مختصر اور عام فہم تشریح و توضیح کے ساتھ اس انداز میں پیش کی جا رہی ہیں کہ ان میں باہم کوئی تعارض و تضاد نہ رہے اور قرآن و حدیث کا صحیح حکم اور صحیح مسئلہ پوری طرح واضح اور مُدلّل ہو کر سامنے آجائے۔ یہ مضمون چونکہ عوام اور متوسط طبقے کے لئے ہے، اس لئے اس میں زیادہ دقیق علمی بحثیں نہیں کی گئی ہیں، بلکہ عام فہم انداز میں چند موٹے موٹے اُصول اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ عوام کے ساتھ ساتھ خواص کی بھی ذہن سازی ہو جائے۔ اور خواہ مخواہ کے نزاع سے اُمّت کو نجات مل سکے۔

آج کل اسلامی شریعت کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں ہمارے ملک میں جو تحریک چلائی جا رہی ہے اُس کی تکنک یہ ہے کہ اسلامی قانون پر براہِ راست حملہ کرنے سے بچنے کے لئے صحیح اسلامی قوانین میں بعض شبہات پیدا کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں قانون صحیح اسلامی قانون نہیں بلکہ ایجادِ بندہ ہے۔ گویا ان لوگوں کو صحیح اسلامی قانون نافذ کرنے کی بڑی "فکر" ہے۔ اور یہ لوگ جن قوانین پر اعتراض کرتے ہیں ان میں تین طلاق کا مسئلہ بھی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے بیک لفظ دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔ اور جن فقہاء نے ان کے وُقوع کا فتویٰ صادر کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور وہ یہ بات قرآن اور حدیث کا صحیح علم حاصل کئے بغیر محض اسلامی شریعت میں شبہ پیدا کرنے کی غرض سے کہتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ یہ مسئلہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں آسان طور پر اس طرح پیش کیا جائے کہ متوسط اور کم پڑھے لکھے لوگ بھی اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیں اور انہیں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہ جائے اور نہ وہ کسی کے بہکاوے میں آسکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر اس سلسلے کی چند اہم حدیثوں کو مختصر تشریح کے ساتھ آسان و سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ اور اس کوشش کا اولین مقصد یہی ہے کہ مسلمان اپنی شریعت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر پورے خلوص کے ساتھ اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مالا مال ہوں۔

۱- طلاقِ سُنّت کیا ہے؟

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَسَاَلَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيْضَ ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ اِنْ شَاءَ اَمْسَكَ بَعْدُ وَاِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّ. فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ يُّطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس بارے میں (فتویٰ) طلب کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے مُراجعت کرلیں۔ (یعنی طلاق واپس لے لیں)۔ پھر وہ رُکے رہیں یہاں تک کہ بیوی حیض سے پاک ہوجائے۔ پھر وہ دوبارہ حیض آنے کے بعد پاک ہوجائے۔ تب وہ اگر چاہیں تو اُسے روک لیں (یعنی بیوی بنا کر رکھ لیں)۔ یا اگر چاہیں تو اُسے چھونے (مباشرت کرنے) سے پہلے طلاق دے دیں۔ تو یہ وہ عدت (گنتی) ہے جس کے مطابق اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (یعنی سورۂ طلاق کی آیت ۱ کے مطابق)۔ [۱]

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے یوں فرمایا: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا إِذَا طَهُرَتْ أَوْ وَهِيَ حَامِلٌ: یعنی اپنے لڑکے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کو لوٹا لیں۔ پھر وہ یا تو اُسے طُہر کی حالت میں طلاق دیں یا حمل کی حالت میں۔ [۲]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ عورت کو حیض کی حالت میں یا ایسے طُہر میں جس میں شوہر نے بیوی سے ہم بستری کی ہے طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسی حالت میں کسی نے اپنی منکوحہ کو ایک یا دو طلاق دی ہے تو اُسے طلاق واپس لینا (رُجوع کرنا) واجب ہوگا۔[۳] لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو اُسے جب چاہے طلاق دی جاسکتی ہے۔

۲۔ کیا حیض کی حالت میں دی ہُوئی طلاق شمار ہوگی؟

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ۔ فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ لِيُرَاجِعْهَا۔ قُلْتُ أَتُحْتَسَبُ؟ قَالَ فَمَهْ!

ترجمہ: ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عمرؓ کو یہ کہتے ہُوئے سنا کہ انہوں نے اپنی بیوی

---

[۱] بخاری ۶/۱۶۳ مطبوعہ استانبول، مُسلم ۲/۱۰۹۳ مطبوعہ ریاض، ابوداؤد ۲/۶۳۲ مطبوعہ حمص، نسائی ۶/۱۳۸ بیروت، ابنِ ماجہ ۱/۶۵۱ بیروت، موطا امام مالک ۲/۵۷۶ مطبوعہ بیروت

[۲] ابوداؤد ۲/۶۳۴، ترمذی ۳/۴۷۹، نسائی ۶/۱۴۱، ابنِ ماجہ ۱/۶۵۲

[۳] ہدایہ، منقول از فتح الباری، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، ۹/۳۴۹، مطبوعہ ریاض

کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو لوٹا لیں۔ ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عمرؓ سے پوچھا کہ کیا وہ طلاق شمار کی جائے گی؟ تو انہوں نے فرمایا اور کیا؟ (یعنی وہ ساقط نہیں ہوگی)۔[۴]

بعض راویوں نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے سائل کے جواب میں یوں فرمایا: مَا يَمْنَعُهُ؟ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ؟ یعنی یہ طلاق واقع ہونے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟ کیا میرے عاجز ہوجانے یا احمق بن جانے کی وجہ سے یہ حکم لاگو نہ ہوگا؟[۵]

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت اس طرح ملتی ہے: فَاعْتَدَدْتَ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ الَّتِي طَلَّقْتَ وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ مَالِي لَا أَعْتَدُّ بِهَا؟ وَإِنْ كُنْتُ عَجَزْتُ وَاسْتَحْمَقْتُ: یعنی سوال کرنے والے نے پوچھا کہ کیا آپ نے اُس طلاق کو شمار کیا تھا جب کہ آپ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی؟ تو آپ نے فرمایا کہ مَیں اُس طلاق کو کیوں نہ شمار کرتا؟ جب کہ مَیں (طلاق کا سُنّت طریقہ جاننے سے) عاجز تھا اور حماقت کر بیٹھا تھا![۶]

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے واقعہ کا اعتراف اس طرح کیا ہے: وَحَسَبْتُ لَهَا التَّطْلِيقَةَ الَّتِي طَلَّقْتُهَا: میں نے اپنی بیوی کو جو ایک طلاق دی تھی اُس کو شمار کیا۔[۷]

ابنِ عمرؓ نے چوں کہ ایک طلاق دی تھی اس لئے بخاری شریف کی تصریح کے مطابق ان کے حساب میں ایک طلاق شمار کی گئی: حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ: ابنِ عمرؓ نے فرمایا کہ میرے کھاتے میں ایک طلاق ڈالی گئی۔[۸]

تشریح: جس طرح قرآنِ مجید کی مختلف آیات و مقامات ایک دوسرے کی تشریح و تفسیر

---

[۴] بخاری ۶/۱۶۳، مسلم ۲/۱۰۹۷، ابوداؤد ۲/۶۳۶، نسائی ۶/۱۴۱-۱۴۲، ابنِ ماجہ ۱/۶۵۱

[۵] و [۶] و [۷] صحیح مسلم کتاب الطلاق

[۸] بخاری ۶/۱۶۳

کرتے ہیں، اسی طرح حدیثِ شریف کے ان مختلف بیانات سے بھی اس مسئلے کی پوری پوری اور تشفی بخش تفسیر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ غرض ان مختلف روایات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کسی نے غیر سنت طریقے کے مطابق اپنی بیوی کو حالتِ حیض وغیرہ میں طلاق دی تو وہ طلاق لغو یا باطل نہیں ہوگی جیسا کہ شیعوں وغیرہ کا مسلک ہے، بلکہ وہ شمار کی جائے گی۔ کیونکہ اول تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی طلاق میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ خود ابن عمرؓ نے اس طلاق کو شمار کیا ہے، جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اور بقول طحاوی اس سلسلے میں مروی روایات "حدِ تواتر" (بکثرت مروی روایات جن پر جھوٹ یا شک وشبہ کا احتمال نہ رہے) کو پہنچی ہوئی ہیں[9] ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی طلاق واقع نہ ہو تو پھر مراجعت (رجوع کرنے) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خود امام بخاری نے ایسی طلاق کو شمار کرتے ہوئے اس کے لئے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے: "بَابُ اِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ تُعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاقُ" یعنی حیض والی عورت کو جب طلاق دی جائے گی تو وہ طلاق شمار ہوگی۔[10]

حاصل یہ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو غیر سنت طور پر طلاق دی تو وہ لغو یا باطل نہیں ہوگی۔ (جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے) بلکہ شمار کی جائے گی۔ اگر ایک دی ہے تو ایک شمار ہوگی، دو دی ہیں تو دو شمار ہوں گی اور اگر تین دی ہیں تو تین شمار ہوں گی۔ کیونکہ غیر مسنون طریقے سے واقع شدہ فعل لغو یا مہمل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے منطقی اثرات ضرور رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب غیر شرعی یا غیر مسنون طریقے پر دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے تو پھر اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ ایک ہو یا دو یا تین! یعنی جس طرح ایک واقع ہو سکتی ہے اسی طرح دو اور تین بھی واقع ہو سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس قسم کی طلاق کو شمار نہ کرنا ان صاف وصریح حدیثوں کا انکار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض اپنی رائے یا قیاس یا عقلی احتمالات کی

۹ شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۳۶، مطبوعہ کراچی
۱۰ بخاری ۶/۱۶۳

رُو سے ان احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس قسم کا اقدام اتباعِ سنت کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ بات نہ صرف خلافِ شرع ہے بلکہ وہ خلافِ عقل بھی ہے۔ اس کی مزید وضاحت اگلی حدیث سے بخوبی ہو جائے گی جس کے مطابق غیر مسنون طریقے سے دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

۳۔ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ اِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِاَحَدِهِمْ : اَمَّا اَنْتَ طَلَّقْتَ امْرَاَتَكَ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ، فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِيْ بِهٰذَا۔ وَاِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ، وَعَصَيْتَ اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَاَتِكَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی اس واقعہ کے بارے میں پوچھتا تو آپ یوں فرماتے: (رجوع کرنا اُس وقت ہے جب کہ) تم اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے چکے ہو۔ (اسی بنا پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ ورنہ اگر تم تین طلاقیں دے چکو تو تمہاری بیوی تم پر حرام ہو جائے گی، جب تک کہ وہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ مگر اس صورت میں تم اللہ کے تلقین کردہ طریقے کے مطابق طلاق نہ دے کر اُس کے نافرمان بنو گے۔[11]

تشریح: امام بخاری نے اس روایت کو کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک جب کوئی شخص تین طلاق دے دے تو بیوی اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔ (وَقَالَ اَهْلُ الْعِلْمِ اِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ)۔[12]

یہ حدیث تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں ایک قولِ فیصل ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا، جس کے باعث انہیں اس مسئلے میں زیادہ تحقیق کرنے اور اُس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کا موقع ملا تھا۔ اسی بنا پر آپ عمر بھر لوگوں کو یہی فتویٰ دیتے رہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی

۱۱ صحیح مسلم ۲/۱۰۹۳-۱۰۹۴
۱۲ صحیح بخاری ۶/۱۶۶

ہیں، جیسا کہ اس سلسلے کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صاحبِ واقعہ جس طرح اپنے واقعہ کی تطبیق کر سکتا ہے اس طرح کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے میں مراجعت کی ہے۔ پھر اس کے بعد آپ لوگوں کو اس مسئلے کے نشیب و فراز سمجھا رہے ہیں اور اپنے واقعے کی روشنی میں فتویٰ دے رہے ہیں۔

غرض اس سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لغو نہیں ہوتیں، جیسا کہ شیعوں وغیرہ کا مسلک ہے۔ اور جو لوگ تین کو ایک قرار دیتے ہیں وہ نہ صرف خلافِ شریعت ہے بلکہ خلافِ عقل بھی ہے۔ اور بعض حدیثوں سے اس مسئلے پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ خود دورِ رسالت میں بھی بیک وقت تین طلاق دینے کا رواج موجود تھا۔ جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

۴۔ دورِ رسالت میں تین طلاق کا ثبوت

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً، فَقَامَ غَضْبَاناً ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ؟ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ؟

ترجمہ: محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو پوری تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اس پر آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جائے گا جب کہ میں تمہارے سامنے موجود ہوں؟ اس پر ایک صحابی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل کر دوں؟ [۱۳]

تشریح: اس حدیث سے چند اہم حقائق ثابت ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ دورِ رسالت میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کا رواج موجود تھا۔ جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے: ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً۔ یعنی تینوں طلاقیں، یا جملہ تین طلاقیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فعل پر سخت ناراضگی ظاہر کرتی ہے کہ ایسا کرنا بہت

۱۳؎ سنن نسائی ۶/۱۴۲

بڑا گناہ اور کتاب اللہ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

۳۔ اس حدیث میں اس بات کی صراحت موجود نہیں ہے کہ یہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں یا نہیں؟ مگر قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑ گئیں۔ ورنہ آپ اس فعل پر اس قدر شدید ردِ عمل کا اظہار نہ فرماتے۔ لہٰذا پچھلے اور اگلے صفحات میں جو حدیثیں مذکور ہیں اُن کی روشنی میں یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ بیک وقت دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

۴۔ اگر دورِ رسالت میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا رجحان موجود ہوتا (جیسا کہ اگلے صفحات میں مذکور حدیث ۸ سے ظاہر ہوگا) تو آپ اس صورت میں یوں فرماتے کہ چلو کوئی بات نہیں، تین ایک ہو گئی۔ مگر یہاں پر آپ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔ بلکہ شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو آپ اس قدر ناراض کیوں ہوتے؟ غرض تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا اس میں کوئی ہلکا سا اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث تین کو ایک قرار دینے کے مسلک کو غلط اور باطل ثابت کر رہی ہے۔

۵۔ یہ حدیث اپنے معنی و مطلب کے لحاظ سے اوپر مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اُس مشہور و متواتر حدیث کے مطابق ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی حالت میں طلاق دینے پر سخت غصّے کا اظہار کرتے ہوئے اس سے رُجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی بنا پر علماء کی رائے یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے۔ اور اگر کسی نے طلاقِ رجعی دی ہے تو اس صورت میں ایسی طلاق سے رُجوع کرنا واجب ہے۔ تو اب جس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے غیر سنت طور پر دی ہوئی طلاق میں حُرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس حدیث کی رُو سے بھی اس کی حُرمت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یہ بھی غیر سُنّت طریقہ ہے۔ اور سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق چونکہ رُجوع کرنے کی گنجائش باقی تھی اس لئے آپ نے غیر سُنّت طلاق میں رُجوع کرنے کا حکم دیا لیکن اس موقع پر چونکہ رُجوع کرنے کا حق باقی نہیں رہا اس لئے آپ نے یہاں پر ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ گنجائش ہونے کی صورت میں آپ اس کا حکم ضرور دیتے۔ ایک صحابی کا اُس شخص کے قتل پر آمادہ ہو جانا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی شدید غصے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اس قسم کا فعل قابلِ ملامت ہے جو کسی بھی حال میں جائز و مشروع نہیں بن سکتا۔ لہٰذا تین کو ایک قرار دینے کی بات بالکل غلط اور باطل ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان دونوں مسئلوں میں غیر سنت طلاق (طلاقِ بدعت) کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں طلاق پڑ جاتی ہے۔ ورنہ جس طرح حضرت ابن عمرؓ کو حیض کی حالت میں طلاق دینے کی وجہ سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دیا جاتا۔ لیکن جب اس طرح کا کوئی حکم یہاں پر ثابت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ اور جب تینوں طلاقیں پڑ گئیں تو اب رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا۔ ورنہ اگر ان طلاقوں کو واقع نہ مانا جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ناراضگی کی کوئی دوسری معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ نتیجہ دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح ہے، جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک معمولی عقل والا شخص بھی یہی نتیجہ نکال سکتا ہے۔

۵۔ تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثاً، فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ لَا، حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ۔

ترجمہ: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے نے بھی اسے طلاق دے دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شخص کے لئے (نئے نکاح کے ساتھ) حلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ دوسرا شخص بھی پہلے ہی کی طرح اس کی مٹھاس چکھ نہ لے (یعنی اس سے ہم بستری نہ کرلے)۔[۱۴]

۱۴ بخاری ۶/۱۶۵، مسلم ۲/۱۰۵۷، نسائی ۶/۱۴۸

تشریح: امام بخاری نے اس حدیث کو بیک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے۔ نیز اس کے علاوہ دو مزید حدیثیں بھی اس سلسلے میں بطورِ ثبوت پیش کی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ "تجھے تین طلاق ہے" تو اس صورت میں تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے یہ اور دیگر دو حدیثیں بیان کی ہیں۔ غرض یہ اور اس قسم کی دیگر تمام حدیثوں سے تین طلاقوں کا وقوع ثابت ہے۔ لہٰذا تین طلاقوں کے وقوع کو رد کرنا یا انہیں ایک قرار دینا ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب صحیح حدیثوں سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو پھر ان میں اپنی رائے یا قیاس کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان پر بے چون و چرا عمل کرنا لازم آتا ہے۔

۶۔ حلالہ کے لئے خلوتِ صحیحہ کافی نہیں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثاً فَيَتَزَوَّجُهَا الرَّجُلُ فَيُغْلِقُ الْبَابَ وَيُرْخِي السِّتْرَ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، قَالَ لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتَّى يُجَامِعَهَا الْآخَرُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے۔ پھر دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر کے دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردے کھینچ لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے ہم بستری کئے بغیر اسے طلاق دے دیتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرا اس سے مباشرت نہ کرلے۔[۱۵]

تشریح: اس حدیث نے اس مسئلے کو پوری طرح صاف کر دیا کہ تین طلاق والی عورت سے نئے مرد کا محض تنہائی میں مل لینا یا پردے کھینچ لینا کافی نہیں ہے بلکہ مباشرت ضروری ہے، ورنہ حلالہ کی شرط پوری نہیں ہو سکتی۔ امام نسائی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں: هٰذَا أَوْلَى بِالصَّوَابِ:

۱۵ سنن نسائی ۶/۱۴۹

اس باب میں یہی زیادہ صحیح ہے۔ یعنی تین طلاق کے بعد جب تک کہ عورت کا حلالہ نہ ہوجائے وہ طلاق دینے والے پر حرام رہتی ہے۔

یہ اور اس قسم کی دیگر حدیثیں قرآنِ مجید ہی کی تشریح و تفسیر کرنے والی ہیں۔ اس کی تفصیل پچھلے باب میں فقرہ نمبر ۲ اور نمبر ۹ میں آیتِ قرآنی "حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" (جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے ہم بستری نہ کرلے) کے تحت گزر چکی ہے۔ اور اس مسئلہ میں تین طلاق خواہ بیک لفظ ہو یا متفرق طور پر، دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب کے فقرہ نمبر ۶ اور نمبر ۷ سے ظاہر ہوگیا۔

۷۔ مشروط طور پر حلالہ کرنا حرام ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ :

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر[16]

تشریح : یعنی اگر کوئی اپنی مطلقہ عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ اس سے ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دے دے گا تو اس طرح نکاح کرنا اور کرانا دونوں شریعت کی نظر میں حرام اور قابلِ لعنت فعل ہے۔ کیونکہ یہ حرکت اُصولِ تمدن و معاشرت کے خلاف ہے۔ اور اس قسم کی شرمناک حرکت سے بجائے اصلاح کے فساد لازم آتا ہے اور خفیہ تعلقات کا دروازہ کُھل سکتا ہے۔ اسی بنا پر ایک دوسری حدیث میں حلالہ کرنے والے شخص کو "تَيْسٌ مُسْتَعَارٌ" یعنی کرائے کا بکرا کہا گیا ہے :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ ؟ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ قَالَ هُوَ الْمُحَلِّلُ ۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا مَیں تمہیں کرائے کے بکرے کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ صحابہ نے عرض کیا :

---

[16] ترمذی ۳/۴۲۸ ، نسائی ۶/۱۴۹ ، ابن ماجہ ۱/۶۲۲

ضرور بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر[17]

مشروط طور پر حلالہ کرنا اتنا سخت معاشرتی گناہ ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اسے زِنا تصوّر کرتے ہوئے ایسا کرنے اور کرانے والے پر رجم (سنگسار) کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا : لَا اُوْتٰى بِمُحَلِّلٍ وَلَا مُحَلَّلٍ لَهٗ اِلَّا رَجَمْتُهُمَا ۔ یعنی جب بھی میرے پاس حلالہ کرنے اور کرانے والے کو لایا جائے تو مَیں ان دونوں کو سنگسار کردوں گا۔[18]

لہٰذا نظامِ تمدّن کو صحیح رُخ پر چلانے کے لئے ضروری ہے کہ نکاح اور طلاق کے ضابطہ کو بغیر کسی شرط کے آزادانہ حقِ انتخاب کی بنیاد پر رکھا جائے۔ بہرحال حلالے کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس طرح مشروط طور پر نکاح کرلے مگر بعد میں طلاق نہ دے تو پہلا شوہر اُسے شرعاً طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتا، بلکہ وہ دوسرے ہی کی بیوی رہے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسی عورت سے اپنی مرضی اور صوابدید سے نکاح کرنے کے بعد کسی وجہ سے از خود طلاق دے دے یا اُس کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں وہ پہلے شوہر کے لئے نئے نکاح کے ذریعہ حلال ہوسکتی ہے۔

اس باب میں شریعت نے اس قدر سختی اس لئے رکھی ہے تاکہ کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق ہرگز نہ دے (نہ اکھٹا طور پر اور نہ متفرق طور پر)۔ اور اگر دینا ہی ہے تو اس کے نتائج پر پہلے ہی اچھی طرح سے غور کرلے، تاکہ بعد میں اُسے پچھتانا نہ پڑے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک شخص کو پہلے ہی سے یہ بات معلوم ہو کہ تین طلاق دینے کے بعد اُس کی محبوب ترین شے یعنی اُس کی شریکِ حیات دوسرے کا پہلو گرمائے بغیر اُس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی تو وہ ایسا سخت اور سنگین قدم اُٹھانے سے پہلے ہزار بار غور کرلے گا۔ اسی لئے اس سنگین اقدام کی سزا بھی انتہائی سخت و سنگین رکھی گئی ہے، تاکہ ہر شخص کو اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ "تین طلاق" گڑا گُڑی کا کوئی کھیل نہیں بلکہ اپنی محبوب ترین شے اور دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی متاع سے ہاتھ دھولینا ہے۔

---

[17] سُنن ابنِ ماجہ ۱/۶۲۳

[18] مُصنّف عبدالرزاق ، مصنف ابن ابی شیبہ ، بیہقی ، منقول از تفسیر درمنثور ۱/۲۸۴ - ۲۸۵

۸۔ غیر مدخولہ عورت کی تین طلاق کا حکم

عَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا الصَّهْبَاءِ قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَثَلَاثًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ ۔

ترجمہ: طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوصہباء نے حضرت ابنِ عباسؓ سے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں نیز حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تین (طلاق) کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟ تو ابنِ عباس نے فرمایا ہاں۔[19]

تشریح: ظاہری معنی و مفہوم کے لحاظ سے اِس حدیث اور سابقہ احادیث میں ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ یعنی سابقہ حدیثوں کے مطابق یہ بات سامنے آچکی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو تینوں پڑ جاتی ہیں۔ مگر اس حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق کو اسلام کے ابتدائی ادوار میں ایک قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات درحقیقت غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے، جیساکہ اسی سلسلے کی ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے، جس کے ملاحظہ سے یہ ٹکراؤ بالکل ختم ہوکر مسئلہ صاف ہوجاتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ اَبُو الصَّهْبَاءِ كَانَ كَثِيْرَ السُّؤَالِ لِابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلٰى، كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ، فَلَمَّا رَاَى النَّاسَ تَتَابَعُوْا فِيْهَا قَالَ

۱۹؎ مسلم ۱۰۹۹/۲، ابوداؤد ۲/ ۶۵۰ - ۶۵۱، نسائی ۱۴۵/۶

اَجِيْزُوْهُنَّ عَلَيْهِمْ ۔ طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص جس کا نام ابوصہباء تھا وہ ابن عباسؓ سے بہت زیادہ سوالات کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے پوچھا کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو مباشرت کرنے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تو دورِ رسالت، دورِ ابوبکر اور دورِ عمرؓ کے ابتدائی حصّے میں ایسی طلاق کو ایک قرار دیا جاتا تھا؟ ابنِ عباس نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوتا تھا کہ اُن ادوار میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو مباشرت کرنے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تو اُسے ایک قرار دیا جاتا تھا۔ مگر لوگ جب اس کام کو کثرت کے ساتھ کرنے لگے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کو اُن پر لاگو کردو۔[20]

ان دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد نے ایک ہی باب میں نقل کیا ہے، جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تشریح کر رہی ہیں۔ یعنی ان دونوں کا حکم غیر مدخولہ عورت (جس سے ابھی مباشرت نہ کی گئی ہو) سے متعلق ہے، مُطلق نہیں۔ کیونکہ اُصولی اعتبار سے جب ایک ہی حکم سے متعلق ایک بات مُطلق (بغیر کسی قید کے) ہو اور دوسری مُقیّد (یعنی قید کے ساتھ) ہو تو اس صُورت میں دونوں کو ایک ہی حکم سے متعلق قرار دیا جائے گا۔ نیز اسی طرح امام نسائی نے بھی اس حدیث (پہلی حدیث) کو غیر مدخولہ عورت کی متفرق طلاق پر محمول کیا ہے۔[21] لہٰذا ان دو جلیل القدر محدثین کی تصریح کے باعث یہ مسئلہ بہت بڑی حد تک حل ہوجاتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابنِ عباسؓ (جن سے یہ دونوں حدیثیں مروی ہیں) کے بہت سے شاگردوں کا مسلک یہ تھا کہ غیر مدخولہ عورت کو اگر تین طلاق دی جائے تو وہ ایک ہوگی، جب کہ عام اہلِ علم کو اس سے اختلاف ہے۔[22]

بہرحال اس مسئلے میں اختلاف جو کچھ ہے وہ صرف غیر مدخولہ عورت یا دوشیزہ کے بارے میں ہے کہ اگر اُسے تین طلاقیں دی جائیں تو کتنی پڑتی ہیں؟ تو اس بارے میں تین مسلک ہوگئے ہیں:

۱۔ بعض لوگوں کے نزدیک تینوں پڑ جاتی ہیں۔ جیساکہ خود ابنِ عباسؓ سے اس سلسلے میں

۲۰؎ ابوداؤد ۶۴۹/۲

۲۱؎ دیکھئے نسائی ۱۴۵/۶ (باب طلاق الثلاث المتفرقۃ قبل الدخول بالزوجۃ)

۲۲؎ شرح خطابی، برحاشیہ ابوداؤد ۶۴۹/۲، مطبوعہ حمص (شام)

متعدد روایات مروی ہیں [23]

۲۔ بعض لوگوں کے نزدیک صرف ایک پڑتی ہے۔ اور یہ بات طاؤس اور عطاء سے مروی ہے [24]

۳۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ غیر مدخولہ عورت یا دوشیزہ کو بیک لفظ تین طلاق دینے کی صورت میں تینوں پڑ جاتی ہیں اور الگ الگ دینے کی صورت میں صرف ایک پڑتی ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔ [25]

ان تینوں مسلکوں میں سے تیسرا مسلک ہی زیادہ صحیح اور قوی ہے اور اسی پر جمہور (عام) علمائے اُمت کا اتفاق ہے۔ اس موقع پر یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اُوپر کی تصریح کے مطابق یہ بات اُس صورت میں ہے جب کہ "تین طلاق" کے الفاظ استعمال کئے بغیر محض لفظ "طلاق" کو تاکید کے طور پر دُہرایا گیا ہو۔ ورنہ اگر کسی نے صراحتاً تین طلاقیں دے دی ہوں تو وہ تینوں پڑ جائیں گی، خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ جیسا کہ اس سلسلے میں خود حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ دیگر کئی صحابۂ کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

محمد بن ایاس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے دوشیزہ (غیر مدخولہ) کے بارے میں پوچھا گیا جس کے شوہر نے اُسے تین طلاق دے دی ہو۔ تو سب نے یہی کہا کہ وہ اُس شخص کے لئے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ دوسرا شوہر نہ کر لے [26]

حاصلِ بحث یہ کہ صحابۂ کرام اور جمہور علمائے اسلام کے مسلک کے مطابق قولِ فیصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک لفظ تین طلاق دے (مثلاً یوں کہے کہ تجھے تین طلاق ہے) تو اس صورت میں

---

[23] مُصنف ابن ابی شیبہ، ۵/۲۱-۲۵، مطبوعہ بمبئی
[24] ایضاً ۵/۲۶
[25] ایضاً ۵/۲۴
[26] سُنن ابوداؤد ۲/۶۴۸

تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، خواہ بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ لیکن اگر کسی نے الگ الگ الفاظ میں تین طلاقیں دیں (جیسے یوں کہا تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے) تو اس صورت میں اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک پڑے گی۔ لیکن اگر عورت مدخولہ (صحبت شدہ) ہو تو تینوں پڑ جائیں گی۔ [27]

اس تشریح و توجیہہ سے تمام حدیثیں قابلِ عمل نظر آتی ہیں اور ان کا باہمی تعارض و تضاد دُور ہو جاتا ہے۔ ورنہ پھر زیرِ بحث حدیث کو اصل مان کر گفتگو کی جائے (جیسا کہ بعض لوگوں کا طرزِ عمل ہے) تو پھر پورا ذخیرۂ حدیث ایک اچھا خاصا "جنگل" نظر آئے گا اور اُمت کو اختلافات سے نجات نہیں ملے گی۔

اب رہا بعض لوگوں کا اس طرح کہنا کہ اگر کوئی اپنی منکوحہ عورت کو تین طلاق دے تو اس سے صرف ایک ہی پڑے گی چاہے عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، مذکورۂ بالا تمام صحیح ترین حدیثوں کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ بات، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس (شریعت کی چار بنیادیں جن سے فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں) سب کے خلاف ہے۔ اور اس مسلک کو کسی بھی طرح صحیح نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں بعض قرآنی آیات (جو آگے فقرہ ۹ کے علاوہ پچھلے باب میں فقرہ ۱ کے تحت مذکور ہیں) کے علاوہ حدیث ۳، ۴ اور ۵ قطعی حجت ہیں، جن کی کسی بھی طرح تاویل نہیں کی جا سکتی۔ ابوصہباء (یا طاؤس) کی روایتوں اور مذکورۂ بالا صحیح حدیثوں کے درمیان تضاد و ٹکراؤ اسی صورت میں دُور ہو سکتا ہے جب کہ مذکورۂ بالا توجیہہ کے مطابق ابوصہباء کی روایتوں کو غیر مدخولہ (یا دوشیزہ) کی طلاق پر محمول کیا جائے، ورنہ سارے ذخیرۂ حدیث کو دریا بُرد کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک "شاذ" (منفرد) اور اختلافی حدیث کو بنیاد بنا کر دوسری تمام حدیثوں کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔ (واضح رہے کہ ابوصہباء والی روایات اُمت کے درمیان سخت اختلاف کا باعث بنی ہوئی ہیں)۔ بہرحال پورے ذخیرۂ حدیث میں کہیں بھی یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص بیک لفظ تین طلاق دے بیٹھے تو وہ ایک شمار ہو گی۔ ایسا کہنا کلامِ رسول پر ایک اتہام ہے۔ خود ابوصہباء کی روایتوں میں بھی "بیک لفظ" کی بات قطعاً موجود نہیں ہے۔ بلکہ صرف "تین طلاق" کے الفاظ ملتے، جو متفرق طور پر بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس سے بیک لفظ دی ہوئی طلاق پر استدلال کرنا قانونی نقطۂ نظر سے ایک

---

[27] إعلاء السُّنن ۱۱/۱۷۹، مطبوعہ کراچی

بنیادی اور فاش ترین غلطی ہے ۔ اب دیکھئے اس کے برعکس حدیث نمبر۲ میں واضح طور پر تین طلاق (ثلاث تطلیقاتٍ جمیعاً) کے الفاظ موجود ہیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سخت ملامت کی اور غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی غضبناکی کی وجہ کیا تھی ؟ اگر تین ایک ہوتی تو آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ چلو تین ایک ہے ؟ ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ دورِ رسالت میں تین کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ مگر دوسری طرف یہ تصریح ملتی ہے کہ آپ تین کے لفظ پر غضبناک ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ لیکن امام ابوداؤد اور امام نسائیؒ کی تصریحات کے مطابق اُوپر جو توجیہہ کی گئی ہے اُس کی رُو سے یہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ پر قابلِ اعتبار رہتی ہیں۔ لہٰذا یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

اور دوسری حیثیت سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر سخت غصّے کا اظہار فرمایا ہے۔ لہٰذا جو چیز حرام ہو وہ حلال یا مشروع نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ یہ کہ تین کو ایک قرار دینا ایک حرام چیز کو حلال کرنا ہے، جس کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر اللہ اور اُس کے رسول نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہو اُسے دنیا کا کوئی شخص حلال یا جائز قرار نہیں دے سکتا۔ یہ اتنی صاف اور سیدھی بات ہے کہ اس کو ایک موٹی عقل والا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔[28]

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ ۔

۹۔ تین طلاق کے وُقوع پر قرآن سے استدلال

حضرت ابنِ عباسؓ "ترجمان القرآن" اور "حبرالاُمّت" کہلاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک سائل کے جواب میں تین طلاق کے وقوع پر قرآنِ حکیم سے نہایت درجہ لطیف انداز میں استنباط و استدلال کیا ہے۔ دیکھئے یہ حدیث کس طرح دلنشین انداز میں مذکور ہے جو ہر قسم کی تشریح و تفصیل سے بے نیاز دکھائی دیتی ہے :

[28] اس حدیث پر مزید کلام اور قولِ فیصل کے لئے دیکھئے راقم سطور کی کتاب " تین طلاق کا ثبوت اسلامی شریعت میں "

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ ، كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ ، إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثاً ۔ قَالَ ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحَمُوْقَةَ ، ثُمَّ يَقُوْلُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ ، يَا ابْنَ عَبَّاسٍ !! وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجاً) وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰهَ ، فَلَمْ أَجِدْ لَكَ مَخْرَجاً ۔ عَصَيْتَ رَبَّكَ ، وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ) فِيْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ ۔

ترجمہ : مجاہدؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں ابنِ عباسؓ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ اُس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ (لہٰذا آپ اس بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں ؟) مجاہد کہتے ہیں کہ ابنِ عباسؓ (کچھ دیر تک) خاموش رہے تو میں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کی بیوی کو لوٹا دیں گے۔ (مگر) آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص حماقت کر بیٹھتا ہے اور پھر کہنے لگتا ہے اے ابنِ عباس ! اے ابنِ عباس !! حالانکہ اللہ تعالیٰ (صاف صاف) کہہ چکا ہے (جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لئے راستہ نکال دے گا) مگر تم چونکہ اللہ سے نہیں ڈرے (یعنی اُس کے حکم کے مطابق طلاقِ رجعی نہیں دی) لہٰذا میں تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں پاتا۔ تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جُدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ تو فرما چکا ہے (اے نبی جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو)۔ یعنی طُہر کے شروع میں (طلاقِ رجعی) دو۔[29]

تشریح : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تین طلاق کے وُقوع کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے وہ دیکھیں کہ قرآن کس قدر انوکھے انداز میں اس کا اثبات کر رہا ہے ! اسی طرح سورۂ بقرہ میں جہاں پر طلاق کے احکام اور اُس کا طریقہ مذکور ہے وہیں پر یہ صراحت بھی موجود ہے :

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ، وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جن سے تم تجاوز مت کرو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے

[29] سُنن ابوداؤد ۲/۶۴۷

تجاوز کرے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ (بقرہ : ۲۲۹)

اس موقع پر حدود سے تجاوز کرنے کا یہی مطلب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ ورنہ اگر انہیں واقع نہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی عدول حکمی کے باوجود کوئی بھی شخص ظالم نہ بنے گا۔ اور ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اگر یہ مطلب نہ نکالا جائے تو قرآن کی یہ آیت بے معنی نظر آئے گی۔

۱۰۔ بیک لفظ تین طلاق کا مزید ثبوت

عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ : اِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِيْ مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ ، فَمَاذَا تَرٰى عَلَيَّ ؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلُقَتْ مِنْكَ لِثَلَاثٍ ، وَسَبْعٌ وَتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰيٰتِ اللهِ هُزُواً۔

ترجمہ : مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیری بیوی تین طلاقوں کے ذریعہ آزاد ہوگئی اور باقی ۹۷ کے ذریعہ تو نے اللہ کے احکام کو مذاق بنایا ہے[۳۰]

تشریح : اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ بیک وقت دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ اور یہ ایک قانونی نکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ سو طلاقیں ایک ایک کرکے نہیں دی جاسکتیں کیونکہ ایک ایک کرکے دینے کی صورت میں تین تک پہنچتے ہی کوٹہ پورا ہوجاتا ہے اور بقیہ ۹۷ کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ اس لئے صاف طور پر معلوم ہوگیا یہاں پر سو طلاقیں بیک لفظ دینا ہی مراد ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیک وقت اگر سو طلاقیں دی جائیں تو صرف تین ہی واقع ہوں گی اور بقیہ ۹۷ لغو قرار پائیں گی۔ کیونکہ شریعت نے کسی بھی شخص کو صرف تین ہی طلاقیں دینے کا اختیار دیا ہے، زیادہ نہیں۔ اس اعتبار سے جب بیک وقت سو طلاقیں دینے پر صرف تین ہی واقع ہوسکتی ہیں تو پھر صرف تین دینے پر بھی تین واقع ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا تین کو ایک قرار دینا عقلی و قانونی دونوں اعتبار سے

[۳۰] موطا امام مالک ۲/۵۵۰ ، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ

غلط اور باطل ہے۔

آج کل تجدّد پسند لوگ یہ جو کہتے ہیں کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کو نافذ قرار دینا علماء کی ایجاد ہے، جو صحیح اسلامی قانون کے خلاف ہے، وہ دیکھیں کہ اس مسئلے میں کس کا قول صحیح و درست ہے؟ اور ایسے لوگوں کو اسلامی فقہ و شریعت سے کتنا تعلق ہے؟ مذکورۂ بالا تمام حدیثوں سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ تین طلاق کے وُقوع کا حکم لگانا ایجادِ بندہ یا حضرت عمرؓ کا محض تعزیری اقدام نہیں تھا، بلکہ یہ ضابطہ دورِ رسالت ہی سے جاری و لاگو تھا۔

غرض جب قرآن اور حدیث سے بیک وقت یا بیک لفظ دی ہوئی تین طلاقوں کے واقع ہوجانے کا ثبوت مل گیا تو پھر یقین کرنے کے لئے اب مزید کونسی دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

۱۱۔ تین طلاق کے بعد مُراجعت نہیں ہوسکتی

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ، وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِيْ اَرْحَامِهِنَّ) وَذٰلِكَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا طَلَّقَ امْرَاَتَهُ فَهُوَ اَحَقُّ بِرَجْعَتِهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثاً۔ فَنُسِخَ ذٰلِكَ وَقَالَ (اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)۔

ترجمہ : عکرمہؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔ (مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں ..... اُن کے شوہر انہیں عدت کے اندر لوٹالینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بقرہ : ۲۲۸) اور چونکہ زمانۂ جاہلیت میں مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو جب چاہے مُطلّقہ کو لوٹالے اگرچہ وہ تین (یا اس سے زیادہ) طلاق دے چکا ہو۔ لہٰذا اس (غلط) رواج کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا گیا (طلاقِ رجعی صرف دو بار تک ہی ہے)[۳۱]

تشریح : اس حدیث کی مزید وضاحت حضرت عائشہؓ سے مروی ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کے مطابق وہ فرماتی ہیں کہ لوگ پہلے جتنی چاہیں طلاقیں دیتے اور جب چاہتے رجوع

[۳۱] ابوداؤد ۲/۶۴۴-۶۴۵ ، نسائی ۶/۲۱۲

کر لیتے تھے، اگرچہ وہ سو بار طلاق دے چکے ہوں۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے ایسی طلاق نہ دوں گا جس کی وجہ سے تو مجھ سے جُدا ہو جائے، اور نہ میں تجھے کبھی گھر والی ہی بنا کر رکھوں گا۔ اس پر عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اُس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا مگر جب تیری عدت پُوری ہونے کو آئے تو تجھے لوٹا لوں گا۔ (اس طرح تو ہمیشہ معلق رہے گی)۔ اس پر وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ تو عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ طلاق صرف دو بار ہے۔ یعنی رجوع کرنے کا حق صرف دو بار تک ہے۔[۳۲]

غرض یہ حدیثیں اس آیت کے شانِ نزول (پس منظر) کی وضاحت کر رہی ہیں کہ "طلاق دو بار ہے" کہنے کا اصل مفہوم و مدعا کیا ہے؟ تو مذکورۂ بالا حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ اس میں دراصل طلاقِ رجعی کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ طلاق دینے کے بعد رُجوع کرنے کا اختیار صرف دو تک ہی رہتا ہے۔ ورنہ اگر کسی نے تیسری طلاق دے دی تو پھر عورت حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ مابعد کی آیت میں یہ بیان اس طرح مذکور ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا...... پس اگر وہ (تیسری بار) عورت کو طلاق دے دے تو وہ اُس کے لئے حلال نہیں رہتی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے ہم بستری نہ کرلے۔ (بقرہ: ۲۳۰)

مفسر قرطبی نے اس آیت کے متعلق بعض صحابہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس آیت میں طلاق دینے کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جس نے دو طلاقیں دی ہیں اُسے تیسری طلاق دینے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ پھر موصوف فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دونوں مفہومات کی حامل بن سکتی ہے۔[۳۳]

اس اعتبار سے اس آیتِ کریمہ سے ان ہی دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ مگر بعض اہلِ علم کا یہ کہنا کہ اگر کوئی بیک وقت تین طلاق دے دے تو وہ اس آیت کی رُو سے واقع نہیں ہو سکتیں، اس آیت کو ایک زائد معنی پہنانا ہے، جس کی وہ متحمل نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پر قرآن کو (زیرِ بحث الفاظ کی رُو سے) اس مسئلے سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ درحقیقت حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اور جو لوگ بیک لفظ

۳۲؎ ترمذی ۲/۲۹۷، نیز ملاحظہ ہو موطا امام مالک ۲/۵۸۸

۳۳؎ تفسیر قرطبی ۳/۱۲۶

دی ہوئی تین طلاقوں کے وُقوع کو از رُوئے قرآن غلط بتاتے ہیں وہ بھی دراصل حدیثوں ہی کا سہارا لے کر یہ بات کہتے ہیں۔ اور مجرد قرآن سے صرف اتنا ہی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ یہ تینوں طلاقیں الگ الگ ہونا چاہئیں مگر ان کے درمیان کتنا وقفہ ہو؟ اس کی صراحت قرآن میں موجود نہیں ہے۔ لہذا یہ ایک اجمالی بیان ہے۔ اور اُوپر نقل کردہ صحیح حدیثوں کی رُو سے جب بیک وقت یا ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع ثابت ہو چکا ہے تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ قرآن کی ان مُجمل آیات میں یہ حکم بھی شامل ہو سکتا ہے۔ بلکہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کا وُقوع خود قرآن سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے سورۂ طلاق کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور اس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاق کے وُقوع پر جب قرآن اور حدیث دونوں متفق ہیں تو پھر ثبوت کے لئے اب مزید کونسی دلیل درکار ہے؟ نتیجہ یہ کہ تین طلاق یا اس کے وقوع کو ممنوع قرار دینے کا مطالبہ قرآن اور حدیث کو بدلنے کا مطالبہ ہے، جس کو کوئی بھی سچا مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔

واضح رہے کہ حدیثِ شریف قرآن ہی کی شرح و تفسیر ہے۔ جو اُمور قرآن میں اجمالی طور پر مذکور ہیں اُن کی شرح حدیثوں سے ہوتی ہے۔ اور اس اُصول کے مطابق تین طلاق کا وقوع قرآن سے اجمالی طور پر اور حدیث سے تفصیلی طور پر ثابت ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذلك۔

۱۲- کن لوگوں کی طلاق نہیں پڑتی

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيْرِ حَتّٰى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ اَوْ يُفِيْقَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سونے والا جب تک کہ وہ جگ نہ جائے، نابالغ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، اور دیوانہ جب تک وہ عقل یا ہوش میں نہ آجائے۔[۳۴]

۳۴؎ نسائی ۶/۱۵۶، ابن ماجہ ۱/۶۵۸

تشریح : یہ حدیث بخاری میں حضرت علیؓ سے ایک دوسرے اُسلوب میں مروی ہے[35]

اسلام چونکہ ایک عقلی مذہب ہے اس لئے وہ اپنے احکام میں بھی جگہ جگہ عقل و دانش مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بہرحال ان تینوں صورتوں میں چونکہ عقل یا تو زائل رہتی ہے یا وہ قابو میں نہیں رہتی، یا درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی نہیں ہوتی اس لئے اسلامی شریعت نے ان تینوں صورتوں میں طلاق کے وُقوع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ ورنہ ان حالتوں میں بھی اگر طلاق کو واقع قرار دے دیا جاتا تو پھر لوگ اس سے بڑی مشقت میں پڑ جاتے اور یہ قانون ایک مُصیبت بن جاتا۔

۱۳- مغلوب العقل کی طلاق نہیں پڑتی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ الْمَغْلُوْبِ عَلَى عَقْلِهِ۔

ترجمہ : حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر طلاق جائز (قابلِ نفاذ) ہے سوائے اُس شخص کی طلاق کے جس کی عقل مغلوب ہو گئی ہو۔[36]

تشریح : یہ حدیث امام بخاری کی تعلیقات میں حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے[37] اور اس سے مُراد غالباً ایسا شخص ہے جو کسی مرض یا بیماری کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو، جیسے سرسام زدہ شخص۔ اور امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ اگر ایسا شخص مسلسل ہوش و حواس کھوئے ہُوئے ہو تو اُس کی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتا ہو اور ہوش کی حالت میں طلاق دے بیٹھے تو پھر اُس کی طلاق پڑ جائے گی۔

۱۴- دل میں طلاق دے لینے سے طلاق نہیں پڑتی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ

[35] بخاری ۱۶۹/۶

[36] جامع ترمذی ۴۹۶/۳، مطبوعہ بیروت

[37] صحیح بخاری ۱۶۹/۶

تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ۔ وَقَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

ترجمہ : حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری اُمت سے دلوں میں پیدا ہونے والی باتوں سے درگزر کر لیا ہے، جب تک کہ لوگ اُن کو عملاً بروئے کار نہ لائیں یا اُنہیں زبان سے ادا نہ کریں۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دل میں طلاق دے بیٹھے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔[38]

تشریح : مطلب یہ کہ محض دل میں وسوسہ پیدا ہو جانے کے باعث یا محض دل میں ارادہ یا نیت کر لینے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ صراحتاً زبان سے الفاظِ طلاق ادا نہ کئے جائیں۔

۱۵- مذاق کی طلاق پڑ جاتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ : اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ ۔

ترجمہ : حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی۔ اور وہ تین چیزیں ہیں نکاح، طلاق اور رجعت۔[39]

تشریح : نکاح اور طلاق ایسے معاملات ہیں جن کے اثرات انسان کی معاشرتی و تمدنی زندگی میں دُور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ہر حال میں سنجیدگی ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ یہ قانون اور ضابطہ ایک کھیل تماشہ بن کر رہ جائے گا۔ مثلاً شوہر بات بات پر

[38] بخاری ۱۶۹/۶، نیز ملاحظہ ہو مسلم ۱۱۶/۱، ابوداؤد ۶۵۷/۲، ترمذی ۴۸۹/۳، نسائی ۱۵۶/۶-۱۵۷، ابن ماجہ ۱۵۸/۱

[39] ابوداود ۶۴۴/۲، ترمذی ۴۹۰/۳، ابن ماجہ ۶۵۸/۱

طلاق دینے لگ جائے گا اور بعد میں کہہ دے گا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ جس طرح گواہوں کے سامنے نکاح کے دو بول بولنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ وہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے؛ اسی طرح طلاق کے تلفظ سے نکاح ٹوٹ بھی جاتا ہے، خواہ وہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح اصلاً ایک معاشرتی و عمرانی معاہدہ ہے، جو دیگر مذاہب کی طرح کوئی "اٹوٹ بندھن" نہیں ہے، جو کسی بھی صورت میں ٹوٹ نہ سکتا ہو۔ بلکہ محض بیوی کو "تجھے طلاق ہے" کہہ دینے سے یہ معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ بلا وجہ طلاق دینا شریعت کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے۔

۱۶۔ بلا سبب خُلع طلب کرنا مذموم ہے

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی سبب کے طلاق (خُلع) طلب کرتی ہے تو اس کے لئے جنت کی خوشبو حرام ہے۔[۴۰]

تشریح: اس میں محض جنسی لطف اندوزی کی خاطر یا شوہروں کو بدلنے کے فیشن کی وجہ سے خُلع یا طلاق حاصل کرنے والی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس کے برعکس کسی عورت پر شوہر کی جانب سے اگر واقعی ظلم و زیادتی ہو رہی ہو جو اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو تو اس صورت میں عورت کو خُلع طلب کرنے کا حق ہے۔ نیز اسی طرح اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی کسی چیز سے طبعاً نفرت ہو جس کی بنا پر وہ حدودِ الٰہی کو قائم نہ رکھ سکتی ہو تو اس صورت میں بھی اسے خُلع کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ حدیث کی مختلف کتابوں میں ایک صحابیہ (جمیلہؓ بنتِ سلول) کا واقعہ مذکور ہے جو حضرت ثابت بنتِ قیسؓ کی

۴۰ ابوداؤد ۲/۶۶۸، ترمذی ۳/۴۹۲، نسائی ۶/۱۶۸، ابن ماجہ ۱/۶۶۲

بیوی تھیں۔ چنانچہ جمیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ مجھے ثابتؓ کی دینداری اور اُن کے اخلاق کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ مگر میں (بعض وجوہات کی بنا پر) اُن کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے۔ اور ابنِ ماجہ کی روایت میں تصریح ہے کہ ثابت بن قیس بدصورت تھے۔ حافظ ابنِ حجر نے بعض دیگر روایات کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ وہ بہت زیادہ کالے، پستہ قد اور بدشکل تھے[۴۱] اور نسائی کی ایک روایت کے مطابق اُنہوں نے جمیلہ کا ہاتھ توڑ دیا تھا[۴۲] تو اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے پوچھا کہ کیا تم وہ باغ ثابت کو واپس کر دو گی جو اُنہوں نے تمہیں دیا ہے؟ تو جمیلہ نے جواب دیا ہاں واپس کر دوں گی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا کہ تم باغ لے لو اور جمیلہ کو ایک طلاق دے دو۔[۴۳]

۱۷۔ بیوہ چار ماہ دس دن سوگ منائے گی

عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْهَا اَبُوْ سُفْيَانَ ابْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةٌ خَلُوْقٌ اَوْ غَيْرُهُ، فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَتَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔

ترجمہ: زینب بنت ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے پاس آئیں جب کہ اُن کے والد ابوسفیانؓ کا انتقال ہو چکا۔ تو (چوتھے دن) اُمِّ حبیبہؓ

۴۱ فتح الباری از حافظ ابنِ حجر عسقلانی ۹/۴۰۰

۴۲ نسائی ۶/۱۸۶

۴۳ بخاری ۶/۱۷۰، نسائی ۶/۱۶۹، موطا مالک ۲/۵۶۴، ابن ماجہ ۱/۶۶۳

نے ایک زرد قسم کی خوشبو منگوائی اور اُس میں سے کچھ (وہاں پر موجود) ایک لڑکی کو لگایا پھر اپنے گالوں پر بھی مل لیا۔ اور کہا کہ مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے، لیکن میں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ (اپنے کسی رشتہ دار کی) موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے شوہر کے جو چار ماہ دس دن ہے[۴۴]

تشریح: جس عورت کا شوہر مرجائے تو اُس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور یہ مدت اُس کے سوگ کا بھی زمانہ ہے۔ لہٰذا اس دوران بیوہ عورت نہ تو اپنا سنگار کرسکتی ہے اور نہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ بقول حافظ ابن حجر بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ اس مدت میں جَنین EMBRYO کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے اور ایک سو بیس دن کے بعد اس میں رُوح پھونک دی جاتی ہے[۴۵]

اس موقع پر ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا مُطلقہ عورت کو بھی سوگ منانا چاہئے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق تمام علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ مُطلقہ رجعیہ (جس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو) پر کسی بھی قسم کا سوگ نہیں ہے (بلکہ اُسے بن ٹھن کر رہنا چاہئے تاکہ اُس کا شوہر اُس کی طرف مائل ہوسکے)۔ ہاں مطلقہ بائنہ (ناقابلِ رُجوع) کے بارے میں اختلاف ہے۔ تو اس مسئلے میں احناف کے نزدیک ایسی طلاق والی کو بھی سوگ منانا چاہئے (یہاں تک کہ اُس کی عدت گزر جائے)۔ کیونکہ بائن ہونے کی بنا پر وہ بھی ایسی ہی ہوگئی ہے جیسے اُس کا شوہر مرچکا ہو[۴۶]

۱۸۔ مُطلقہ بائنہ کا نفقہ اور جائے رہائش

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا قَالَ لَيْسَ لَهَا سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةٌ: فاطمہ بنتِ قیس رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی

۴۴ بخاری ۱۸۵/۹، مسلم ۱۱۲۳/۲ - ۲۴، ترمذی ۵۰۰/۳

۴۵ دیکھئے فتح الباری ۴۸۷/۹

۴۶ ماخوذ از فتح الباری ۴۸۶/۹

ہیں کہ آپ نے تین طلاق والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ اُسے نفقہ (خرچہ) اور مَسکن (جائے رہائش) نہیں مل سکتے ہیں[۴۷]

تشریح: بعض فقہاء نے اس حدیث کو بنیاد بناکر فیصلہ کیا ہے کہ مطلقہ بائنہ کو عدت کے دوران نفقہ اور جائے رہائش نہیں مل سکتے۔ مگر احناف کے مسلک کے مطابق ہر قسم کی مطلقہ عورت کو عدت کے دوران نفقہ اور جائے رہائش دیا جانا ضروری اور واجب ہے۔ اب رہا معاملہ فاطمہ بنتِ قیس رض کی اس حدیث کا تو اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ خود فاطمہ کے ساتھ پیش آیا تھا جب کہ اُن کے شوہر انہیں تین طلاق دے کر یمن چلے گئے تھے۔ چونکہ فاطمہ ذرا زبان دراز تھیں، اس لئے اُن کے شوہر کے گھر میں عدت گزارنے میں ایک اندیشہ یہ تھا کہ فاطمہ اور ان کے دیوروں کے درمیان تُو تُو مَیں مَیں ہوتی اور اس بنا پر وہ فاطمہ کو گھر سے نکال باہر کرتے۔ لہٰذا اس اندیشے کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو ابن اُم مکتوم رض کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی یہی علت بتائی ہے[۴۸] چنانچہ ایک روایت کے مطابق فاطمہ نے اپنے سُسرال والوں کے ساتھ سخت کلامی کی تھی[۴۹]

اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ فاطمہ بنتِ قیس کے شوہر کا مکان شہر کے کنارے یا سنسان مقام پر واقع تھا۔ اور اس بنا پر انہیں اندیشہ ہُوا کہ ایک مطلقہ سمجھ کر کوئی مکان میں گُھس نہ آئے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے:

عَنْ فَاطِمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! زَوْجِيْ طَلَّقَنِيْ ثَلَاثًا، وَاَخَافُ اَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ، فَاَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ: فاطمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے

۴۷ مسلم ۱۱۱۸/۲

۴۸ جامع ترمذی ۴۸۵/۳

۴۹ سنن سعید بن منصور ۳۱۹/۱ (مطبوعہ ڈابھیل)۔ فاطمہ بنتِ قیس کا واقعہ متعدد طریقوں سے حسب ذیل کتبِ حدیث میں موجود ہے: بخاری ۱۸۳/۹-۱۸۴، مسلم ۱۱۱۴/۲-۱۱۲۱، ابوداؤد ۷۱۲/۲-۷۲۰، ترمذی ۴۸۴/۳-۴۸۵، نسائی ۲۰۷/۹-۲۰۹، ابن ماجہ ۶۵۶/۱، موطا امام مالک ۵۸۰/۲-۵۸۱۔

شوہر نے مجھے تین طلاق دے دی ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ (عدت کے دوران) وہاں پر کوئی گھس نہ آئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں وہاں سے ہٹ جانے کا) حکم دیا تو وہ ہٹ گئیں[50]

تو اس بنا پر وہ اپنے خاص حالات کو نظر انداز کر کے کہتی پھرتی تھیں کہ مطلقہ بائنہ کو شوہر کی جانب سے نفقہ اور جائے رہائش نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ نے ان کے قول کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے:

قَالَ عُمَرُ: لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ، لَا نَدْرِيْ لَعَلَّهَا حَفِظَتْ اَوْ نَسِيَتْ، لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ. قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر چھوڑ نہیں سکتے۔ اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے یہ بات اچھی طرح یاد رکھی ہے یا کچھ بھول گئی ہے۔ لہٰذا مطلقہ بائنہ کے لئے خرچہ اور جائے رہائش دونوں شوہر کی جانب سے ملیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تم مطلقہ عورتوں کو اُن کے گھروں سے مت نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں، مگر اس صورت میں جب کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں[51]

بہرحال اس موقع پر ان اختلافی حدیثوں کو بیان کرنے کا مقصد دو اہم مسئلوں کو ثابت کرنا ہے: (۱) ایک یہ کہ مطلقہ عورت شدید مجبوری کی حالت میں اپنی عدت دوسری جگہ گزار سکتی ہے۔ مگر جہاں تک ہو سکے اُسے کوشش یہی کرنی چاہئے کہ جس مکان میں اُس کی طلاق واقع ہوئی ہو وہیں پر وہ اپنی عدت گزارے۔ (۲) اور دوسرا مسئلہ یہ کہ تین طلاق والی عورت کو بھی عدت کے دوران مکان اور خرچہ دونوں ملیں گے۔

---

[50] نسائی ۲۰۸/۶، ابن ماجہ ۶۵۵/۱-۶۵۶، نیز بخاری ۱۸۴/۶، مسلم ۱۱۲۱/۲

[51] مسلم ۱۱۱۹/۲، ابوداؤد ۷۱۸/۲، نسائی ۲۰۹/۶

غرض اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے عدت کے دوران مکان اور خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ کیونکہ اس مدت کے دوران عورت کو حمل ہونے کی صورت میں وہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جو ہونے والے بچے کے نسب کا پتہ چلانے کے لئے ضروری ہے۔ اتنی مدت میں اگر حمل ظاہر ہو جائے تو پھر بچہ طلاق دینے والے شوہر کی جانب منسوب ہوگا۔ اور جب نسب صحیح ثابت ہو جائے گا تو پھر وہ نفقہ اور وراثت کا بھی حقدار بنے گا۔ اسی بنا پر مطلقہ بائنہ (خواہ وہ ایک طلاق والی ہو یا تین طلاق والی) کو بھی شوہر کے گھر میں روکے رکھنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پوری کارروائی میں شریعت کی بہت بڑی حکمت اور دُور اندیشی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

لہٰذا شوہروں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد زبردستی گھروں سے باہر نکال دیں۔ اور ایسا کرنا اسلامی شریعت کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے اور عورتوں پر ایک ظلم بھی۔ اور اس اقدام کا ایک اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے ظالم اور خدا کے نافرمان شوہر اس مدت کے اندر اپنے ہونے والے بچوں کا بھی انکار کر کے خدائے تعالیٰ کے مزید غضب کے مستحق ہوں گے۔

۱۹- بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

مسئلہ یہ ہے کہ وہ بیوہ جو حاملہ نہ ہو اُس کی عدت از رُوئے قرآن چار ماہ دس دن ہے (بقرہ: ۲۳۴)۔ اور حاملہ عورت کی عدت از رُوئے قرآن وضع حمل ہے۔ (طلاق: ۴)۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسی مطلقہ جو حاملہ بھی ہو وہ اگر عدت کے دوران بیوہ ہو جائے تو وہ ان دونوں میں سے کونسی عدت پوری کرے گی؟ اس مسئلے میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ ابن عباس کہتے تھے کہ ایسی صورت میں اُس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، مگر ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ نہیں اس کی عدت وضع حمل تک ہی ہے۔ تو اس مسئلے کے حل کے لئے حضرت اُمّ سلمہؓ سے رجوع کیا گیا تو اُنھوں نے ابوہریرہ کی رائے کی تصویب کرتے ہوئے حسبِ ذیل واقعہ بیان کیا:

...... فَقَالَتْ تُوُفِّيَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ فَوَلَدَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِخَمْسَةَ عَشَرَ نِصْفِ شَهْرٍ. قَالَتْ فَخَطَبَهَا رَجُلَانِ فَحَطَّتْ بِنَفْسِهَا اِلٰى اَحَدِهِمَا. فَلَمَّا خَشُوْا اَنْ تَفْتَاتَ بِنَفْسِهَا قَالُوْا اِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ. قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ قَدْ حَلَلْتِ فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ : اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ سُبیعہؓ کے شوہر کا انتقال ہوگیا (جو مطلقہ تھیں)، تو اُن کے شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد سُبیعہ کو بچہ ہُوا۔ پھر اس کے بعد دو آدمیوں نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تو ان میں سے ایک کی طرف سُبیعہ کا رُجحان ہُوا۔ مگر اُس کے لوگ ڈرے کہ کہیں وہ اس سے نکاح نہ کرلے۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ابھی تو تمہاری عدت پوری نہیں ہُوئی ہے۔ اس پر وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی (اور اس بارے میں مسئلہ پوچھا) تو آپ نے فرمایا کہ تُو حلال ہوچکی ہے، اب جس سے چاہے نکاح کرلے۔[52]

اور موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ (طلاق کے فوراً بعد) اگر وضعِ حمل اس طرح ہوجائے کہ شوہر کی میت ابھی چارپائی پر رہی ہو (یعنی ابھی تدفین نہ ہُوئی ہو) تب بھی عورت عدت سے باہر نکل آئے گی۔[53]

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث کے مطابق اس سلسلے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ سورۂ طلاق کی آیت چونکہ سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہُوئی ہے اس لئے سورۂ بقرہ والی آیت (۲۳۴) کا حکم عام نہیں ہے۔ یعنی وہ صرف اُس بیوہ سے متعلق ہے جو حاملہ نہ ہو۔ ورنہ بیوہ اگر حاملہ بھی ہو تو اُس صورت میں اُس پر سورۂ طلاق والی آیت (۴) کا حکم نافذ ہوگا۔[54] مطلب یہ کہ یہ دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ پر قابلِ عمل ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیثِ شریف قرآنِ مجید کے ایک "ظاہری تعارض" کو دُور کر رہی ہے۔

۲۰- بیوہ بھی اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی

عَنْ زَيْنَبَ اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ — وَهِيَ اُخْتُ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيْ — اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ اِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ اَنْ

[52] نسائی ۶/۱۹۱، نیز ملاحظہ ہو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ

[53] موطا ۲/۵۹۰

[54] دیکھئے ابوداؤد ۲/۷۳۰، نسائی ۶/۱۹۷، ابن ماجہ ۱/۶۵۴

تَرْجِعَ اِلَى اَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبِقُوْا حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِطَرَفِ الْقَدُوْمِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوْهُ ۔ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلَى اَهْلِي ۔ فَاِنِّي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ ۔ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : نَعَمْ ۔ قَالَتْ فَخَرَجْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي ، اَوْ اَمَرَ بِي فَدُعِيْتُ لَهُ ۔ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ ؟ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَاْنِ زَوْجِي ۔ قَالَتْ فَقَالَ : اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ ۔ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۔ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَسَاَلَنِي عَنْ ذٰلِكَ ۔ فَاَخْبَرْتُهُ ، فَاتَّبَعَهُ وَقَضٰى بِهِ ۔

ترجمہ: مشہور صحابی ابوسعید خُدریؓ کی بہن فُریعہ بنتِ مالک کا واقعہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئیں اور آپ سے اپنے گھر والوں میں واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ اُن کے شوہر اپنے بھاگے ہُوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے تھے۔ مگر وہ جب قدوم نامی مقام پر پہنچے اور اُن کی مُڈبھیڑ اپنے غلاموں سے ہوگئی تو غلاموں نے اُنہیں قتل کر ڈالا۔ اس بنا پر فُریعہ نے اپنے کُنبے والوں میں چلے جانے کے ارادے سے پُوچھا کہ میرے شوہر نے نہ کوئی مکان چھوڑا ہے اور نہ نان ونفقہ۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "ہاں تم چلی جاؤ"۔ فُریعہ کہتی ہیں کہ اس پر میں وہاں سے جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی اور پوچھا تم نے کیا کہا؟ تو میں نے پُورا قصہ دوبارہ سنایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "تم اپنے ہی گھر میں ٹھہری رہو جب تک کہ عدت پوری نہ ہوجائے"۔ فُریعہ کہتی ہیں کہ میں نے اس حکم کے مُطابق چار ماہ دس دن اُسی گھر میں (جس میں پہلے تھی) اپنی عدت گُزاری۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ہُوئے تو اُنہوں نے میرے پاس آدمی بھیج کر یہ مسئلہ معلوم کیا اور اسی کے مُطابق فیصلہ کیا۔[55]

[55] ابوداؤد ۲/۷۲۳-۷۲۴، مطبوعہ حمص، ترمذی ۳/۵۰۸-۵۰۹ مطبوعہ بیروت، نسائی ۶/۱۹۹-۲۰۰ بیروت، ابن ماجہ ۱/۶۵۴-۶۵۵ بیروت، موطا ۲/۵۹۱ بیروت۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے موقع پر عورت جس مکان میں ہو اُسی میں وہ اپنی عدت گزارے، اگرچہ وہ اُس کے شوہر کی ملکیت نہ ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو کوشش یہی کرنی چاہئے کہ عدت اُسی مقام پر گزرے۔ اگر وہ مکان شوہر کے رشتہ داروں کا ہے یا کوئی اور صورت ہے تو اس وقت مالکِ مکان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اس شرعی مسئلے کا خیال کرتے ہوئے بیوہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز شوہر اگر کنگال رہا ہو تو یا اور کوئی بات ہو تو اُس کے اعزہ عورت کا خرچ برداشت کریں اور عدت کے بعد اُس کے نکاحِ ثانی کا انتظام کریں۔ کیونکہ اسلامی شریعت کی رُو سے بیواؤں، مطلقہ عورتوں اور اسی طرح غیر نکاحی عورتوں کا نکاح کرانے اور ان کے گھروں کو بسانے کی قرآن اور حدیث میں تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ : اور تم میں جو بیوہ (اور بے نکاح لوگ) ہیں اُن کے نکاح کر دو۔ اور تمہارے جو غلام اور باندیاں لائق ہیں اُن کا بھی نکاح کر دو۔ اگر یہ لوگ (اس وقت کسی وجہ سے) مفلس ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُنہیں غنی کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (نور: ۳۲)

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! تین چیزوں کو مؤخر مت کرو: (۱) نماز جب کہ اُس کا وقت ہو جائے۔ (۲) جنازہ جب کہ وہ موجود ہو۔ (۳) اور بیوہ جب کہ اُس کے لئے موزوں آدمی مل جائے۔[۵۶]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، یا رات بھر عبادت کرنے والا اور دن بھر روزہ رکھنے والا۔[۵۷]

اس اعتبار سے بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خبر گیری کرنا، اُن کی راحت رسانی کا خیال کرنا اور

---

۵۶ مسند احمد بن حنبل ۱/۱۰۵، مطبوعہ بیروت

۵۷ بخاری کتاب النفقات ۶/۱۸۹، مطبوعہ استانبول

ان کے گھروں کو دوبارہ بسانا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ ہندو مذہب اور رواج کی طرح انہیں کسی بھی صورت میں منحوس تصور نہیں کرنا چاہئے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ اہلِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس سلسلے میں غیر مذاہب والوں کے اوہام و خرافات کو قولاً و فعلاً غلط ثابت کرنے اور عالمِ انسانی کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اور یہ بات اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ خود مسلمان اپنے دین اور اپنی شریعت پر سچے دل کے ساتھ عمل کریں۔

آخر میں ایک ضمنی مسئلہ یہ بیان کرنا ہے کہ بیوہ عورت چونکہ شوہر کی ملکیت میں وارث ہوتی ہے اس لئے اُسے قانونی طور پر عدت کا نفقہ نہیں ملتا۔ بلکہ صرف مسکن یعنی جائے رہائش ہی مل سکتی ہے۔ اور اس بنا پر اُسے دن کے وقت روزی کی تلاش میں باہر نکلنے کی اجازت ہے (جب کہ وہ تنگدست ہو)، بخلاف مطلقہ کے جسے نفقہ اور مسکن دونوں ملتے ہیں۔ لہٰذا مطلقہ عورتوں کو عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔[۵۸]

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اہلِ اسلام کو اپنی شریعتِ مطہرہ پر چلنے اور صحیح اسلامی اصولوں کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اُس کی نافرمانی و حکم عدولی سے ہر حال میں بچائے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں پر جو بھی آفتیں آ رہی ہیں وہ دین و شریعت کو نظر انداز کر دینے کی بدولت ہیں۔ اور موجودہ دور میں اسلامی شریعت کے خلاف جو تحریکیں چل رہی ہیں اُن کے توڑ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمان صدق دلی کے ساتھ پروردگارِ عالم کے بنائے ہوئے قانون اور اُس کی شریعت پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے مخالفینِ اسلام کے ہر منصوبے کو ناکام بنانے کی کوشش کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

محمد شہاب الدین ندوی

۲۹/۶/۸۸ء

---

۵۸ شرح معانی الآثار از طحاوی ۲/۳۸، مطبوعہ کراچی

فہرستِ مراجع

۱ - قرآن مجید
۲ - تفسیر ابن جریر، علامہ ابن جریر طبری، مطبوعہ بیروت
۳ - تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیر، مطبوعہ مصر
۴ - تفسیر ابنِ جوزی، عبدالرحمان ابنِ جوزی، دمشق
۵ - تفسیر کبیر، امام رازی، طہران
۶ - تفسیر قُرطبی، ابوعبداللہ محمد انصاری قرطبی
۷ - تفسیر درمنثور، علامہ جلال الدین سیوطی، بیروت
۸ - تفسیر روح المعانی، شہاب الدین آلوسی، بیروت
۹ - تفسیر مظہری، قاضی ثناءاللہ، دہلی
۱۰ - تفسیر معارف القرآن، مفتی محمد شفیع
۱۱ - صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، استانبول
۱۲ - صحیح مسلم، امام مسلم نیشاپوری، ریاض
۱۳ - سُنن ابوداؤد، امام ابوداؤد سجستانی، حمص (شام)
۱۴ - جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ ترمذی، بیروت
۱۵ - سنن نسائیؒ، امام نسائیؒ، بیروت
۱۶ - سنن ابنِ ماجہ، امام ابنِ ماجہ، بیروت
۱۷ - موطا امام مالک، امام مالک، مصر
۱۸ - مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل
۱۹ - شرح معانی الآثار، امام طحاوی، کراچی
۲۰ - مُصنّف عبدالرزاق، حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمّام، سملک (گجرات)
۲۱ - مُصنّف ابنِ ابی شیبہ، حافظ ابوبکر ابنِ ابی شیبہ، بمبئی
۲۲ - سنن بیہقی (بحوالہ تفسیر درمنثور)
۲۳ - کتاب السُّنن، سعید بن منصور، ڈابھیل (سورت)
۲۴ - فتح الباری، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، ریاض
۲۵ - اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانی، کراچی
۲۶ - دُرِّ مختار مع ردّ المحتار، کوئٹہ (پاکستان)
۲۷ - ہدایہ، برہان الدین علی مرغینانی، دہلی
۲۸ - بدائع الصنائع، علاء الدین کاسانی، کراچی
۲۹ - کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ، شیخ عبدالرحمان جزیری، بیروت
۳۰ - عنایہ، شرح ہدایہ، کلکتہ، ۱۸۳۷ء
۳۱ - ابن تیمیہ، شیخ ابوزہرہ، مصر، ۱۹۷۷ء
۳۲ - سپریم کورٹ کا فیصلہ، محمد شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور
۳۳ - شریعتِ اسلامیہ کی جنگ، " ، " ، "
۳۴ - تین طلاق کا ثبوت، " ، " ، "
۳۵ - کورٹ شِپ، میرج اینڈ فیملی، ڈائر (مطبوعہ امریکہ) ۱۹۸۳ء
۳۶ - سوشیالوجی انکوائرنگ انٹو سوسائٹی، نیویارک، ۱۹۸۲ء

محققین اور علمائے کرام کی اہم اور بصیرت افروز تصنیفات

کتاب	مصنف
سیرت حضرت عائشہؓ	علامہ سید سلیمان ندویؒ
یادِ رفتگاں	″
خطبات مدراس	″
حیات امام مالک	″
سیر افغانستان	″
آپ بیتی	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
معاصرین	″
بشریت انبیاء	″
سیرت نبوی قرآنی	″
وفیات ماجدی	″
قصص و مسائل	″
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے	مولانا محمد منظور نعمانی
دین و شریعت	″
اسلام کیا ہے ؟	″
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	مولانا سید احمد اکبرآبادیؒ
فہم القرآن	″
وحی الٰہی	″
مجالس صوفیہ	مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	″
مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب	″
قرآن مجید اور دنیائے حیات (جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق)	مولانا شہاب الدین ندوی
اسلامی شریعت علم اور عقل کی میزان میں	″
قرآن، سائنس اور مسلمان	″
تخلیق آدم اور نظریہ ارتقا	″

کتاب	مصنف
لغات القرآن	مولانا عبدالکریم پاریکھ
قوم یہود اور ہم قرآن کی روشنی میں	″
صدر یار جنگ (مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کی سوانح حیات)	مولانا شمس تبریز خاں
مسلم پرسنل لاء اور اس کا عائلی نظام	″
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
سیرت خلفائے راشدینؓ	امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ
تاریخ مشائخ چشت	حضرت مولانا محمد زکریاؒ
معاشرتی مسائل	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں	سید شہاب الدین دسنوی
مولانا محمد علی مونگیریؒ	مولانا محمد الحسنی ندویؒ
جزیرۃ العرب	مولانا محمد رابع ندوی
تعلیم القرآن	مولانا ادریس نگرامی ندویؒ
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	مولانا تقی الدین ندوی
حسن معاشرت	خیر النساء صاحبہ (مرحومہ) والدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ریاض الصالحین (اردو) دو جلدوں میں مکمل	امۃ اللہ تسنیم
اصح السیر	مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ
اسلام کا زرعی نظام	مولانا محمد تقی الدین امینی
مقالات سیرت	ڈاکٹر آصف قدوائی
عیون العرفان فی علوم القرآن	قاضی مظہر الدین بلگرامی
سیرت الصدیقؓ	مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ
عورت	افتخار فریدی
طوفان سے ساحل تک	محمد اسد سابق لیوپولڈ وس
علم جدید کا چیلنج	وحید الدین خاں

ناشر: فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ٹ کراچی ۱۸

Shah Noor Ph: 623176